تبلیغی تحریک کی ابتداء

اور

اسکے بنیادی اصول

تالیف

الحاج میاں جی محمد عیسیٰ صاحب فیروزپوری

ناشر

عمران اکیڈمی 40/B اردو بازار لاہور
7221645

وَلَاتَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ه

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن ہو

تبلیغی تحریک کی ابتداء

اور اسکے

بنیادی اصول

تالیف

الحاج میانجی منشی محمد عیسیٰ صاحب فیروزپوری

ناشر

عمران اکیڈمی 40/B اردو بازار لاہور

فون: 7221645

26/1/1421
3/5/2000
00:00 A.M
WED

فہرست مضامین

کمپیوٹر کتابت وسرورق

الرحمٰن کمپیوٹرز

منظور منزل 42/ اردو بازار لاہور

☎:7226145:PP

سبب تالیف

اللہ رب العزت کی یہ عادت جاریہ ہے کہ جب انسانوں میں گمراہی ۔بد عملی۔ بد کرداری اور آخرت سے غفلت عام ہو جاتی ہے۔ اور خالق کی بجائے مخلوق سے اور اعمال کی بجائے مادی شکلوں سے کامیابی کا تصور اور یقین قلوب میں پیوست ہو جاتا ہے۔ تو اللہ رب العزت محض اپنے لطف و کرم سے انسانوں کی ہدایت کا غیب سے انتظام فرماتے ہیں جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ زمانے کے کسی نیک و صالح انسان کو منتخب فرما کر اس پر ہدایت کے اصول اور طریقے الہام فرما کر ان کے استعمال کی شکلیں اس پر کھول دیتے ہیں۔ اور اپنی غیبی نصرت و تائید کو اس کے شامل حال فرمادیتے ہیں۔ سابقہ زمانے میں ایسے انسانوں کو نبی یا رسول کا لقب دیا جاتا رہا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایسے انسانوں کو مجدد یا امام کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔

چونکہ اس زمانے میں بھی گمراہی عام ہو چکی ہے۔ اور

مادی اسباب کو ارباب کا درجہ دیا جا چکا ہے۔ اس لیے پھر اللہ کی رحمت و کرم کو جوش آیا اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو منتخب فرما کر ان پر اس زمانے کی ہدایت کے اصول و طریقے منکشف فرمائے۔ اور ہدایت کی اس محنت کا نام تبلیغی تحریک مشہور ہو گیا۔ حضرت مولانا اسے تحریک ایمان یا امت کی اصلاح کی محنت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ اس کے سارے اصول الہامی ہیں۔ اور اس زمانے کے انسانوں کی ہدایت کو لئے ہوئے۔ اس لیے امت کے تمام طبقات کا اس کام میں لگنا نہایت ضروری اور وقت کا اہم مطالبہ ہے۔ اس کے بنیادی اصولوں کو جاننا اور سمجھنا ہر کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں بہت سے مقامات کے حضرات نے بارہا مطالبہ کیا کہ تم ایسے اصولوں کو یکجا جمع کرو اور اول تو اپنی بے علمی اور کمزوری کی وجہ سے ہمت نہ کر سکا۔ لیکن جب خود نظام الدین کے بعض مخلص احباب نے بھی بار بار تقاضا کیا اور ادھر حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ کے فراق نے دل کو بے چین کر

دیا۔ اور قدرت خداوندی کہ/ آپ کے وصال کے بعد کام بہت بڑھنے لگا اور پرانے احباب دنیا سے رخصت ہونے لگے۔ تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ دونوں بزرگوں (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانوں کے طرز اور نہج کو جتنا بھی ہو سکے قلم بند کر دیا جائے۔ اگرچہ ان کے عہد کی فضا اور طرز زندگی کی تصویر کاغذ پر نہیں اتاری جا سکتی۔ اس کے لیے پرانوں کو تلاش کر کے ان کی صحبت اور اس عمل کی نقل و حرکت ہی سے رہنما ہو سکتی ہے تاہم کچھ خاکہ ضرور سامنے آئے گا جو نہ ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہو گا۔ انشاء اللہ ، چنانچہ یہ چند صفحات جمع کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اگرچہ اپنے ضعف اور لا علمی کی وجہ سے پورا پورا اظہار نہ کر سکا لیکن اہل فہم و بصیرت اگر بار بار مطالعہ فرماویں۔ تو کم سے کم چھ نمبروں اور بنیادی اصولوں کے بارے میں کافی رہبری مل جاوے گی۔

محمد عیسیٰ عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تبلیغ کی ابتدا کیسے اور کہاں سے ہوئی

ان اوراق میں تبلیغی تحریک کب اور کیسے شروع ہوئی۔ اس کا بیان کرنا مقصود ہے، حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے میواتیوں کی آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔ جس کا تذکرہ حضرت مولانا محمد صاحبؒ ابن مولانا شاہ محمد اسماعیلؒ صاحب کے زمانے میں میواتی طلباء کثرت سے نظام الدین آکر تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اور حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میوات کے سفر بھی شروع کر دیے۔ حضرت مولانا موضع فیروز پور نمک تحصیل نوح ضلع گوڑ گانوہ میں کثرت سے تشریف لے جاتے اور بعض اوقات ہفتہ عشرہ یعنی آٹھ آٹھ یوم اور دس دس یوم قیام فرماتے اور جمعہ کے دن نوح تشریف لے جاتے اور جمعہ کے بعد وعظ فرماتے۔ سنا ہے کہ آپ کا وعظ نہایت دلچسپ اور پر تاثیر تھا۔

اس سلسلہ کی وجہ سے میوات کے لوگوں میں دینداری کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ موضع فیروز پور نمک میں قاری حافظ محمد اسماعیل صاحب کی برکت سے تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔ اور ان کی قرأت مشہور تھی۔ دور دور سے ان کو دعوت نامے آئے۔ دہلی کے لوگ بھی ان کے بہت معتقد تھے۔ اس لئے کثرت سے دہلی آمدورفت رہتی تھی۔ ان کی اپنی اولاد ساری کی ساری تعلیم یافتہ تھی۔ ان کے بڑے لڑکے کا نام منشی احمد خاں تھا اور چھوٹے لڑکے کا نام منشی نور بخش تھا اور تیسرے لڑکے کا نام میر احمد تھا۔

منشی نور بخش صاحبؒ نے مولانا محمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ بیعت کا کرنا تھا کہ ان کا رنگ ہی بدل گیا اور ان کے دل میں مولانا کی محبت کا ایسا غلبہ ہوا کہ دنیاوی مشاغل ترک کر کے ایک مدرسہ کھول لیا اور رات دن مدرسہ میں بچوں کی تعلیم اور مسجد میں عبادت میں مشغول رہتے اور کسی سے کچھ معاوضہ نہ لیتے تھے۔ ابتداء میں مسجد کچی تھی اور مدرسہ کا بھی معمولی مکان تھا لیکن منشی جی صاحب مرحوم نے اپنی سعی سے مسجد کو پختہ بنوایا

اور مدرسہ کی عمارت بھی اپنی جیب خاص سے پختہ بنوائی اور مسجد کے برابر ایک پختہ حجرہ تعمیر کرایا۔ منشی جی مرحوم اس حجرہ میں تعلیم کے علاوہ کے اوقات میں دروازہ بند کر کے ذکر و وظائف اور عبادات میں مشغول رہتے۔ تقویٰ اس قدر تھا کہ بڑے بڑے علماء بھی آپ کا احترام کرتے اور بستی کے لوگ اس قدر ڈرتے تھے کہ اگر کسی ضرورت سے باہر نکلتے تو بعض لوگوں کا یہ حال ہو جاتا کہ رعب کی وجہ سے کانپنے لگ جاتے۔

بڑے بڑے چوہدری حقہ چھپا دیتے اور ادب سے کھڑے ہو جاتے

بڑے بڑے چوہدری ان سے بات کرتے ہوئے ڈرتے۔ حقہ چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور حقہ کو چھپا دیتے۔ ایک دفعہ کسی وجہ سے ایک آدمی سے ذرا غصہ سے بات کی تو اس کا پیشاب نکل گیا۔ لیکن بچوں سے بہت محبت و الفت فرماتے۔ مٹکوں میں مٹھائیاں رکھتے۔ روزانہ ایک ایک لڈو تقسیم کرتے اور فرما دیتے

کہ جو بچہ اپنے ساتھ جتنے بچے پڑھنے کو لاوے گا اسی کے بقدر گنتی سے لڈو ملیں گے۔ اس ترکیب سے بستی کے اکثر بچے مدرسہ میں داخلہ ہو گئے۔ بد دین سے بد دین لوگوں کو بچے بھی قرآن شریف اور اردو کی کتابیں پڑھ گئے۔

آپ قرآن شریف حفظ اور ناظرہ۔ اردو اور فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ اس زمانے میں اردو کا لٹریچر نہایت پاکیزہ اور باعث اصلاح تھا۔ اسی طرح فارسی کا حال تھا ایمانیات اور اخلاقیات اور معاشرت کے اصلاحی مضامین کتابوں میں ہوتے تھے۔

آج کل کی طرح افسانے اور ناول اور عشق و معشوقی کے واقعات تعلیمی اور درسی کتابوں میں بالکل نہیں ہوتے تھے۔

منشی نور بخش صاحبؒ نے گاؤں کی بڑھتی ہوئی دینداری اور آبادی کی وجہ سے ایک دوسری مسجد گاؤں کے دوسری جانب تعمیر کرائی جو کہ پختہ بنوائی گئی تھی اور اب تک یہ دونوں مسجدیں موجود ہیں۔ چھوٹی بڑی مسجد کے نام سے معروف ہیں۔ بڑی مسجد گاؤں کے شمالی جانب ہے اور چھوٹی مسجد جنوبی حصہ میں ہے۔ یہ مسجدیں

منشی جی کی ہی تعمیر کرائی ہوئی ہیں۔

۱۹۴۴ء عیسوی میں مسجد نور عرف بڑی مسجد کی توسیع کی گئی۔ لیکن پرانی تعمیر کو جوں کا توں باقی رکھ کر مغربی جانب میں نئی تعمیر کی گئی ہے اور پرانی مسجد کی غربی دیوار میں تین دروازے نکال دیے ہیں۔ جس کی وجہ سے نمازیوں کو بڑی راحت اور عافیت حاصل ہو گئی ہے۔ اور باہر سے آنے والی جماعتوں کے لیے خاص طور سے بہت آرام ہو گیا ہے۔ اجتماع کرنے میں اور قیام میں ہر طرح سے آسانی پیدا ہو گئی ہے۔

ایک تیسری مسجد بھی گاؤں کے مغربی حصہ میں بنائی گئی ہے۔ کیوں کہ بستی کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور نمازیوں کی کثرت ہے۔ جس کی وجہ سے یہ تیسری مسجد بھی تعمیر کرنی پڑی۔ اس میں نمبردار محراب خاں صاحب مرحوم جو کہ منشی نور بخش صاحب مرحوم کے خاص شاگردوں میں سے تھے ان کی کوشش کو دخل ہے۔

میوات کے بہت سے گاؤں میں دین کا بڑا کام ہوا

منشی نور بخش صاحبؒ کی محنت و کوشش سے موضع فیروز پور نمک میں خصوصاً اور میوات کے بہت سے گاؤں میں تعلیم اور دین کو فروغ ہوا۔ اور کئی بستیوں میں حافظ۔ قاری۔ اور بعض بعض گاؤں میں مولوی بھی بن گئے۔ فیروز پور نمک میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب اور حافظ خدا بخش صاحب حافظ قاری عبدالرحیم صاحب مکمل اور جید حافظ تھے اور قرآن پاک ناظرہ اور اردو فارسی کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی خاصی تعداد ہو گئی۔ میوات کے ذمہ دار اور پرانے لوگوں کا بیان ہے کہ میوات کا اکثر تعلیم یافتہ طبقہ بلاواسطہ یا بالواسطہ منشی نور بخش مرحوم کا شاگرد ہے۔ چاہے وہ دیندار ہوں یا دنیادار۔ اور میوات میں سب سے پہلا مدرسہ فیروز پور نمک میں منشی جی مرحوم نے کھولا تھا۔ منشی جی مرحوم تنخواہ نہ لیتے تھے بلکہ مدرسہ کی عمارت بھی خود اپنے پیسے سے بنوائی تھی اور بچوں کو کتابیں۔ پارے اور قرآن شریف تک اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے مال اور جاہ اور ایمان و عمل

کی دولت سے خوب نوازا تھا۔ دوسرے گاؤں سے آنے والے بچوں کو اپنے پاس رکھتے اور ان میں سے جو نادار بچے ہوتے ان کا خرچہ کھانے وغیرہ کا بھی اپنے پاس سے ہی کیا کرتے تھے۔

اس کی تحقیق نہ ہو سکی کہ منشی جی مرحوم کا تعلق مولانا محمد صاحبؒ سے کس طرح اور کہاں سے ہوا۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ چونکہ منشی جی نے تعلیم دہلی میں ہی حاصل کی تھی۔ اور اس سبب سے دہلی آمدورفت رہتی تھی۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ نظام الدین بھی پہنچ گئے ہوں اور نظام الدین میں ہی حضرت مولانا محمد صاحبؒ سے بیعت کر لی ہو۔

بہر حال منشی جی میں دینی زندگی اور دینی شعور۔ دینی جذبہ۔ حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور تعلق کی ہی برکت کی پیداوار ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس سے پہلے منشی جی کی زندگی بہت ہی عیش اور ٹھاٹھ والی تھی۔ اعلیٰ قسم کی گھوڑیاں رکھتے۔ کانوں میں سونے کی مرکی [1] اور گلے میں سونے

---

[1] سونے کی دوہری بالی،

کا پچھنیاں ۱ہ ہاتھوں میں چاندی کے بانکڑے ۲ہ اور توڑ۳ہ کل تین بھائی تھے تینوں تعلیم یافتہ تھے اور منشی جی سب میں چھوٹے تھے اس لئے سارے خاندان اور بھائیوں کا پیار منشی جی پر تھا۔ منشی جی نے البتہ شراب کبھی نہیں پی۔ حالانکہ اس وقت میوات میں شراب کا دور دورہ تھا۔ خصوصاً بڑے لوگوں اور قوم کے چودھریوں کے لیے شراب ضروری سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باوجود بڑائی مالداری اور چودھراہٹ کے منشی جی کو اس سے سخت نفرت تھی۔

جب حضرت مولانا محمد صاحب سے منشی جی کا تعلق ہوا تو منشی جی نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں۔ آخر ایک دن ایسا بھی آگیا کہ حضرت مولانا فیروزپور نمک تشریف لے گئے اور اس کے بعد تو یہ حال ہو گیا کہ اپنی حیات میں پتہ نہیں کتنی مرتبہ تشریف لائے اور ہر دفعہ ہفتہ عشرہ قیام فرمایا کرتے۔ اور اس قیام کے دوران وعظ۔ نصیحت اور مجلسیں جاری رہتی تھیں۔

۱ہ گلے کے ایک خاص قسم کا زیور ۲ہ یہ گلے کا سنہری زیور ۳ہ آج کل صرف عورتیں رکھتی ہیں۔ پہلے مرد اور عورتیں سب پہنتے تھے لیکن بناوٹ میں فرق ہوتا تھا۔ مالدار لوگوں کے لیے یہ زیورات ضرری سمجھے جاتے تھے۔

بیعت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

حضرت مولانا کے قیام اور منشی جی کی تعلیم و محنت سے علاقہ میوات میں دین کا میلان پیدا ہونے لگا۔ اور بعض بعض بستیوں میں مساجد بنی بننے لگیں اور نمازی بھی دکھائی دینے لگے۔ میانجی [1] بھی وجود میں آنے لگے، بعض حافظ بھی ہوئے اور بعض نے اپنے لڑکے نظام الدین اور دہلی بھی بھیجنے شروع کر دیے۔

خاص طور سے فیروز پور نمک میں نماز اور قرآن، اردو کی تعلیم عمومی ہو گئی تھی۔

مشیت خداوندی کہ مولانا کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور منشی جی [2] بھی اس دنیائے فانی سے عالم بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ رب العزت مرحومین کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] یعنی قرآن اور اردو پڑھے ہوئے۔ [2] لوگوں کا بیان ہے کہ چونکہ منشی جی کو حضرت مولانا سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا اس لیے مولانا کے وصال کا صدمہ ان سے برداشت نہ ہو سکا اور اسی صدمہ میں منشی جی کا انتقال ہوا۔

نظام الدینؒ میں مولانا کا نعم البدل اللہ رب العزت نے آپ کے بھائی حضرت مولانا محمد الیاس اے۔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیج دیا۔ اور فیروز پور نمک میں منشی جی رحمۃ اللہ علیہ کا بدل ان کے صاحبزادہ حافظ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمراہ منشی جیؒ کے شاگردوں کے ایک جماعت کو جوڑ دیا۔ جن میں س حافقظ محمد اسحاقؒ۔ نمبر دار محراب خاںؒ منشی امراؤ خانؒ۔ منشی نور علیؒ۔ حافظ عبدالرحمٰن۔ میانجی سلیمانؒ۔ خاص طور سے دین کا فکر رکھنے والے اور کوشش کرنے والے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ دوسرے حضرات بھی جڑے رہتے تھے۔

مزید اللہ کا فضل اور کرم یہ ہوا کہ ان حضرات کے زمانے میں ہی منشی نصر اللہ خاں ساکن نوح۔ کو بسلسلہ ملازمت پٹواری بنا کر فیروز پور نمک میں پہنچا دیا۔ آپ معہ بیوی بچوں کے فیروز پور نمک میں ہی رہنے لگے اور چونہ خاندانی دینداری اور طبیعت میں نیکی کا جذبہ تھا اس لیے وہ بھی ان حضرات کے ساتھ

اے آپ کے بارے میں تفصیل حصہ نمبر ۲ میں مذکور ہے۔

جڑ گئے۔ چودھری نماز خاں کن رائسینہ بھی منشی جی کے شاگرد تھے۔ اور ان کی بہن کا رشتہ فیروز پور نمک میں ہو چکا تھا اس لیے وہ بھی اکثر یہاں ہی رہتے تھے۔

ان حضرات کو میں نے بچپن کے زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ آپس میں ایسی محبت تھی کہ اکثر اکٹھا کھانا۔ سونا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ رہتا تھا اور باہر کا آدمی یہ گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ یہ مختلف کاندان یا مختلف بستیوں کے لوگ ہیں۔

عجیب محبتیں تھیں :۔

منشی نور بخش مرحوم کی سعی اور برکت اور حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور دعا سے فیروز پور نمک میں اکثر مرد اور عورتیں نماز کے پابند بن گئے تھے۔ اور ان کی اولاد میں سے اکثر لڑکے اور لڑکایاں قرآن پاک اور اردو وغیرہ تک کی تعلیم بھی حاصل کر چکے تھے۔

ان دونوں حضرات کی وفات کے بعد منشی جی کے شاگردوں کی ایک جماعت کی شکل بن گئی اور یہ لوگ بستی میں

گاہ بگاہ گشت کرتے۔ اور لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں لاتے اور مستورات کو بھی تاکید کرتے رہتے۔

جب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نظام الدین تشریف لے آئے تو فیروز پور نمک والوں کی آمدورفت نظام الدین ہونے لگی۔ اور میوات سے وہ لوگ بھی گاہ بگاہ آتے رہتے تھے جو حضرت مولانا محمد صاحبؒ کے شاگرد تھے اور انہوں نے نظام الدین میں ہی تعلیم حاصل کی تھی۔

یہ آنے والے حضرات مولانا شاہ محمد الیاس صاحب سے میوات تشریف لانے کی درخواست کرتے رہتے۔

حضرت مولانا میں یہ خاص بات تھی کہ اپنے والد صاحب اور بھائی صاحب سے تعلق رکھنے والوں کا خاص لحاظ فرماتے۔ چاہے ان کا تعلق تعلیمی ہوتا یا اعتقادی یا تربیتی۔

حضرت نے لوگوں کے اصرار پر میوات کا ارادہ فرمالیا اور سب سے پہلے فیروز پور نمک تشریف لانے کا ارادہ فرمایا کیونکہ اس وقت اہل میوات کے اکثر لوگوں کے دل دل میں فیروز

پور نمک کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ اس پر سب راضی ہو گئے اور حضرت کی تشریف آوری پر قرب و جوار اور دور دور سے آکر لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت نے ایک رات قیام فرمایا اور مختلف اوقات میں ارشادات اور وعظ و نصیحت جاری رکھا۔

اس طرح حضرت کا تعلق بڑھنے لگا اور حضرت کی آمدورفت بھی ہونے لگی۔ ابتداء میں حضرت کی آمد زیادہ تر فیروز پور نمک اور نوح میں ہوئی۔ بعد میں دوسرے مقامات پر تشریف لے جانا ہوا۔

آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت کے دل میں امت کی اصلاح کا غم و فکر بڑھتا رہا۔ جس کی تفصیل دوسرے حصہ میں ہے۔

آپ نے اصلاحی شکلوں میں سے تعلیم کو ترجیح دی اور اس کے لیے آپ نے قرآن پاک اور ابتدائی مسئلہ مسائل کی تعلیم کے لیے اردو کی کتابوں کی تعلیم کے مکاتب کھولنے شروع کیۓ۔ اس میں آپ کو بہت دقت اور مشقت بھی برداشت کرنی پڑی۔

لیکن آپ ہمت کے پہاڑ تھے۔ محنت جاری رکھی اور کام چل پڑا۔ لیکن پڑھنے والوں کی زندگی میں تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ ہی ہندوانہ لباس زیور وغیرہ باقی رہا لیکن آپ مایوس نہ ہوئے۔ اس شکل کو جاری رکھتے ہوئے دوسری شکل واعظین کی اختیار کی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ عالم اور واعظ آپ نے حاصل کیے۔ ان کی تنخواہیں مقرر فرمائیں اور ان سے میوات میں دورے کرائے۔ یہ حضرات بستی میں پہنچتے۔ جمع کرتے اور وعظ فرماتے۔ وقتی طور سے لوگوں پر اثر ہوتا۔ کچھ نماز بھی پڑھ لیتے۔ یہ حضرات واپس آکر حضرت کو حالات سناتے۔ حضرت بہت خوش ہوتے اور قیاس کیا کرتے کہ اس سے اصلاح ہو سکے گی۔ لیکن جب حضرتؒ نے انہی بستیوں کا دورہ کیا تو معاملہ صفر تھا۔ جیسا پہلے حال تھا وہ ہی اسے پایا۔ حضرت فکر مند تھے کہ کیا شکل اختیار کی جاوے۔

اسی طرح حضرت کی آمدورفت میوات میں جاری ہو گئی

ے اس کی تفصیل دوسرے حصہ میں ہے۔

اور اصلاح کا فکر و غم بڑھتا رہا دوسری طرف شدھی کی تحریک چل پڑی۔ آگرہ کے قرب وجوار میں ملکانہ قوم سے اس کی ابتداء ہوئی۔ بہت سے لوگ مرتد ہونے شروع ہو گئے کیوں کہ ملکانہ بھی شکل و لباس اور ناموں کے اعتبار سے ہندوؤں سے ملتے جلتے تھے۔ معاشرت بالکل ایک جیسی تھی۔ صرف نام کے مسلمان تھے۔نہ کلمہ جانتے تھے نہ نماز اسلام کی کوئی بات بھی ان کے کانوں تک نہ پہنچی تھی۔ جب شدھی کی تحریک شروع ہوئی اور لوگوں نے اور ان کے گروہ نے ان کو باپ دادا کا دین کفر وشرک بتلایا اور کہا کہ مسلمان بادشاہوں نے تمہارے باپ دادا کو زبردستی مسلمان بنالیا تھا۔ ورنہ تمہاری ساری نسلیں ہندو تھیں۔ اب بھی کچھ فرق نہیں تمہارے نام لباس۔ معاشرت اور تہوار وغیرہ سب ہم جیسے ہیں۔ صرف عیدین اور محرم تم مانتے ہو۔ اسے چھوڑ دو۔ ہم تم بھائی بھائی ہیں۔ اس قسم کی بات سن کر یہ قوم مرتد ہونے لگی۔ سارے علماء متفکر تھے۔ سب نے اپنی اپنی تدبیریں اختیار کیں۔ اور کافی لوگوں کو ارتداد سے بچالیا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو میوات کا فکر ہوا کہ اس علاقہ کا حال بھی ملکانوں سے ملتا جلتا ہے۔ اگر ان پر بھی ارتداد کی کوشش کی گئی تو بہت جلد مرتد ہونے کا خطرہ ہے۔ اس غم نے حضرت جی کو بے چین کر دیا۔ نیند [1] اڑ گئی۔ ہر وقت آہ آہ فراتے اور رات رات بھر رو رو کر دعائیں مانگتے۔ لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی رواجی طریقوں کا تجربہ کر چکے تھے۔

ایک دفعہ فیروز پور نمک کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے [2] اور عرض کیا کہ حضرت آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاں ہفتوں قیام فرماتے تھے۔ جس کی وجہ سی بستی میں دین کا چرچہ رہتا تھا اور منشی نور بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سعی سے بستی میں دین کا علم اور عمل ترقی کر رہا تھا۔ لیکن اب یہ دونوں ہستیاں رحلت فرما چکیں اور آپ جب تشریف لاتے ہیں تو ایک رات یا ایک دن بمشکل

---

[1] اس کی تفصیل دوسرے حصہ میں گذر چکی۔ [2] ان لوگوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی اور نہ پورے نام معلوم ہو سکے۔ صرف حافظ محمد اسحاقؒ ابن منشی نور بخشؒ۔ نمبردار محراب خانؒ۔ منشی نصر اللہؒ کے نام کی تحصیق ہو سکی بعض کہتے ہیں کہ منشی نور علی اور دوسرے حضرات بھی ساتھ تھے۔

ٹھہرتے ہیں اہل بستی پورا فیض حاصل نہیں کرپاتے اور دین میں ضعف پیدا ہونے لگا۔ اس لِئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں اور ہفتہ عشرہ قیام فرمادیں۔

حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو پوری میوات کا فکر ہے۔ صرف تمہاری بستی میں کیونکر قیام کروں۔ تم لوگ پڑھے لکھے ہو۔ تمہاری بستی میں دین کا کافی چرچہ ہے۔ تمہارے ہاں مدرسہ بھی ہے۔ تم خود کوشش کرتے رہو۔ گاہ بگاہ میں بھی آتا رہوں گا۔

لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کوشش تو کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہماری کوشش میں اثر نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کیا کوشش کرتے ہو؟ عرض کیا کہ حضرت ہم بچوں کو مدرسہ میں داخل کراتے ہیں۔ بڑوں کو گشت کر کے نماز کو لاتے ہیں۔

حضرت جیؒ نے جب گشت کا نام سنا تو ساؤنٹے سے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا گشت کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم جماعت بنا کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں نماز کی ترغیب دیتے ہیں

اور مسجد کو لاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے فرمایا کہ تمہارے گشت کو ہم ضرور دیکھیں گے۔ یہ بتاؤ کونسے دن گشت کرتے ہو۔ میں اس دن حاضر ہو جاؤں گا۔ عرض کیا کہ حضرت کوئی دن مقرر نہیں۔ جب ضرورت محسوس کرتے ہیں اسی دن پانچ سات آدمی مل کر گشت کر لیتے ہیں۔ آپ ہی فرمائیں کہ کونسے دن تشریف لائیں گے ہم اسی دن گشت کر لیں گے۔ دن مقرر ہو گیا۔ لوگ خوشی خوشی واپس ہوئے۔ اہل بستی کو حضرت کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا۔ عید کے چاند کا سا انتظار ہونے لگا۔ ایک ایک دن بھاری ہو گیا۔ خدا خدا کر کے مقررہ دن آیا۔ لوگ دن بھر ایک سڑک[1] پر پڑے رہے۔ لیکن حضرت دوسری سڑک سے سیدھے نوح تشریف لیگئے عصر کے وقت لوگوں نے مشورہ کیا کہ حضرت تو تشریف نہیں لائے۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ خیال ہوا کہ کہیں دوسری سڑک سے سیدھے نوح تو نہیں چلے

[1] فیروز پور نمک دو سڑکوں کے درمیان ہے۔ ایک پلول سے آتی ہے، دوسری دہلی سے گوڑگانوہ ہو کر الور کو جاتی ہے اور فیروز پور نمک سے تین فرلانگ آگے اور نوح سے قریبا سوا میل پہلے دونوں ایک ہو جاتی ہیں۔

گئے اور ادھر سے بستی کو نہ پہنچان سکے ہوں۔ اس پر مشورہ کر کے دو آدمی نوح کو بھیجے اور تاکید کر دی کہ اگر حضرت مل جاویں تو ایک آدمی فوراً آجاوے ہم بہلی ۱؎ اور رتھ لے کر آجاویں گے اور اگر نہ آئے ہوں تو دونوں واپس آکر خبر دیں تاکہ دوبارہ دہلی نظام الدین جاکر تحقیق حال کی جاسکے۔

یہ دونوں جب نوح ۲؎ پہنچے تو حضرت جامع مسجد نوح میں تشریف فرما تھے۔ جب حضرت نے ان دونوں کو دیکھا تو فرمایا۔ بھائی ہم تو فیروز پور نمک کو پہچان نہیں سکے اور یہاں آپہنچے۔ انہوں نے بستی کے انتظار کا حال بیان کیا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

حضرت نے فرمایا میں تو تیار ہوں۔ میرا مقصد تو فیروز پور نمک ہی آنا تھا۔ یہاں تو غلطی سے پہنچ گیا۔ لیکن نوح والوں نے اصرار کیا اور ان حضرات کی خوشامد کی کہ آج یہاں ہی رہنے

۱؎ بہلی اور رتھ سہولت کی اعلیٰ سواریاں تھیں جو بہت خوبصورت بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ ۲؎ نوح میں بھی حاجی عبدالغفور صاحب خاں محمد صاحب ولد منشی بشیر احمد صاحب منشی شبیر صاحب بہت سے لوگ حضرت کے بڑے معتقد تھے۔

دو۔ صبح ہم خود پہنچا دیں گے۔ آخر کار یہ لوگ بھی راضی ہو گئے اور دونوں نے آکر بستی والوں کو پورا حال بتا دیا۔ دوسرے دن صبح صبح بستی کے بہت سے لوگ بہلیاں اور رتھ لے کر پہنچ ئے۔ جن میں حضرت جیؒ اور نوح کے حضرات سوار ہو کر فیروز پور نمک آ گئے۔

حضرت[1] کو گشت دیکھنے کا اس قدر تقاضہ تھا کہ بار بار فرماتے رہے کہ بھائی گشت کرو لیکن لوگوں کو خطرہ تھا کہ حضرت گشت دیکھتے ہی واپس ہو جاویں گے۔ اس لیے وقت کو ٹالتے رہے اور مغرب کے بعد گشت کیا۔ حضرت ساتھ ساتھ پھرتے رہے اور وہ لوگ اپنے طریقے سے گشت کرتے رہے۔ کئی بے نمازیوں کو مسجد پہنچایا۔

حضرت بہت خوش ہوئے اور عشاء کی نماز کے بعد بیان فرمایا۔ بیان کے بعد خواص کو بٹھا کر فرمایا کہ ہمیں تمہارا گشت بہت پسند آیا لیکن میں چند اصلاح کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ اسی

---

[1] یہ بات تقریباً ۲۶-۱۹۲۷ء کی ہوگی۔

طریقہ سے دوسری بستیوں میں جا کر بھی گشت کیا کرو اور وہ اصلاح
یہ ہے کہ ایک کو اپنا امیر بنا لیا کرو۔ اور ایک بات کرنے والا مقرر کر
لیا کرو باقی سب ذکر کرتے رہیں۔

شروع میں تو لوگوں نے دوسری بستیوں میں جانے سے
انکار کیا لیکن حضرت کی ترغیب اور اصرار پر وعدہ کر لیا۔ حضرت نے
بہت دعا دی۔ یہ لوگ گشت میں صرف نماز کو کہتے تھے۔ حضرت نے
فرمایا لوگوں کا کلمہ بھی سنا کرو۔ گویا شروع میں یہ دو نمبر قرار پائے
ایک کلمہ دوسرے نماز۔

یہ لوگ کبھی کبھار قرب وجوار میں بھی جاتے رہے۔ لیکن
کوئی خاص ترتیب یا دن مقرر نہ تھا۔ کبھی چندینی کبھی اڈبر کبھی گھا
سیڑہ وغیرہ ان کے گشتوں کا میدان تھا۔

ایک [1] دفعہ حضرت جی فیروز پور نمک تشریف لائے
ایک دن یا دو دن قیام فرمایا۔ اور گشتوں کی بہت تعریف فرماتے
رہے اور فرمایا کیا ہی اچھا ہو کہ تم لوگ جماعت بنا کر بستی

[1] یہ واقعہ تقریباً ۱۹۲۸ء - ۱۹۲۷ء -

در بستی کلمہ اور نماز کی دعوت دینے لگو مجھے تمہارا کام بہت ہی پسند ہے۔ میں امید کرتا ہوں تمہارے کام سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اگر آج ہی ایک جماعت بنا کر میرے سامنے ہی چلدو تو میں بھی تمہارے کام میں شریک ہو جاؤں۔ پھر بہت دیر تک فضائل اور ثواب و اجر بیان فرماتے رہے۔ اور آخر میں تشکیل شروع کر دی۔ حضرت کی ترغیب اور توجہ اور فرمان پر ایک مختصر سی جماعت بن گئی۔ جس میں چھ نفر تھے۔ حافظ محمد اسحاقؒ بن نور بخشؒ۔ نمبر دار محراب خاں۔ چودھری نماز خاں اور تین بچے جن کی عمر تقریباً بارہ تیرہ سال ہو گی۔ ان میں ایک کا نام عبد الغفور [1] بتایا جاتا ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور اس جماعت کا نظام سفر بنایا۔ اور فرمایا کہ آنے والے جمعہ کو قصبہ سہنہ میں پڑھنا۔ لیکن اس جمعہ پر میں نہ آسکوں گا کیونکہ میں اس جمعہ کا دوسری جگہ وعدہ کر چکا ہوں۔ ہاں اگر تم ہمت کر لو اور اس سے

---

[1] یہ وہ ہی عبد الغفور ہیں جو حضرت جیؒ کے خاص شاگرد اور بڑے جید عالم اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن مدظلہ کے ساتھی تھے۔ اور آخر میں مدرسہ معین الاسلام نوح کے صدر مدرس مقرر ہوئے ۱۹۴۸ء میں نوح میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔

اگلے جمعہ تک نظام اور بنالو تو مجھے اطلاع کر دینا کہ ہم جمعہ فلاں جگہ پڑھیں گے تو میں پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس جمعہ پر میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ تمہاری خوشی پر موقوف ہے۔ میں اصرار نہیں کرتا۔

اس کے[1] بعد جماعت کو بہت خوشی کے ساتھ اور بہت دعاؤں کے بعد روانہ کیا۔ حضرت پر انتہائی بشاشت اور آپ کو انتہائی مسرت تھی۔

یہ جماعت گھاسیڑہ ہوتے ہوئے کام کرتی ہوئی جمعہ کو جب سہنہ[2] پہنچی تو جمعہ کی نماز کے بعد سب کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ حضرت جیؒ نے جس طرح دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا ہے اس طرح آپ کی دعائیں لے کر ہی ہمیں لوٹنا چاہیے۔ اس جذبہ نے ایسا غلبہ قلوب میں پیدا کیا کہ سب نے طے کر لیا کہ اگلے

---

[1] حضرت مولانا انعام الحسن مدظلہ نے ایک دفعہ اہل عرب کے سامنے فرمایا کہ پہلی جماعت فیروز پور نمک سے ہی نکلی تھی اور اس کی روانگی میں میں بھی شریک تھا لیکن حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اس جماعت میں تین افراد تھے لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بڑی عمر کے تین ہی حضرات تھے[2] سہنہ تک جماعت کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

جمعہ تک کا نظام اور بنالیا جاوے اور حضرت کو اطلاع کر دیں کہ تاکہ آپ اپنے وعدہ کے مطابق تشریف لا کر ہمیں دعائیں دے کر واپس کر دیں۔ چنانچہ آپس کے مشورہ سے قصبہ تاوڑد میں جمعہ پڑھنا طے کر لیا۔ اور حضرت جیؒ کو اطلاع اے دے دی۔ سہنہ سے کام کرتی ہوئی اور کلمہ نماز کی دعوت دیتی ہوئی یہ جماعت جمعہ کو تاوڑد پہنچی۔ وہاں جمعہ سے پہلے گشت کیا۔ اور حضرت جیؒ کی آمد کی لوگوں کو اطلاع دی۔ لوگ بہت خوش ہوئے۔ تاوڑد میں ایک محلّہ قصائیوں کا تھا۔ اور ان کی آمد ورفت کلکتہ کو رہتی تھی۔ اس زمانے میں کلکتہ میں دین کی ایسی فضا تھی کہ جو بیوپاری وہاں آتے جاتے تھے وہ دیندار اور نمازی بن جاتے تھے۔ چنانچہ تاوڑد کے قصائیوں میں دین کا جذبہ نمازوں کا رواج اور بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی اور اس جماعت کے اکثر حضرات سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس لئے انہوں نے کھانے کا اصرار کیا اور تعلقات کی بناء پر جماعت کو کھانے کی دعوت قبول کرنی پڑی

اے اطلاع کسی طرح دی۔ آدمی بھیج کر یا خط لکھ کر۔ میں اس کی تحقیق نہ کر سکا کیوں کہ اب اس جماعت کا ایک فرد بھی زندہ نہیں۔

ورنہ سارے سفر میں اپنا ہی کھاتے پیتے رہے اور کسی کی دعوت قبول نہ کی۔ حالانکہ بہت سی بستی والوں نے کھانے کا اصرار بھی کیا۔ لیکن یہ حضرات فرماتے تھے کہ ہمیں شرم آئی کہ لوگوں کو دین کی دعوت دے کر ان کا ہی کھانا کھائیں۔ گویا یہ بھی ایک شکل سوال کی بن جاتی ہے۔

قصائیوں نے بہت پر تکلف دعوت کی۔ نماز جمعہ کے بعد معہ حضرت جیؒ کے کھانا کھانا طے پایا۔ جمعہ سے پہلے ہی حضرت ایک کار میں جو کہ دین کی شکل کی تھی پہنچے۔ اور آپ کے ساتھ دہلی کے تجار بھی تھے اور دو دیگیں۔ ایک میں زردہ اور ایک میں پلاؤ۔ ہمراہ لائے قصائیوں کو اس پر صدمہ ہوا کہ حضرت جی کھانا کیوں لائے۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ بھائی ہمیں تمہاری دعوت منظور ہے۔ ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ یہ کھانا بھی تمہارا ہے۔ اسے اپنے گھر لے جاؤ۔ ہم تمہارا کھانا کھائیں گے اور یہ کھانا تم بھی کھانا اور قرب و جوار سے آنے والوں کو بھی کھلانا۔ اس میں کیا حرج ہے وہ لوگ خوش ہو گئے۔

جمعہ کے بعد حضرت جیؒ نے بیان فرمایا۔ بہت لوگ جمع ہو گئے تھے۔ جماعت کی بہت تعریف کی اور سب کو اس کام کے کرنے اور اس میں نکلنے کی دعوت دی۔ لوگوں نے وعدے کئے۔ حضرت جیؒ بہت ہی خوش ہوئے۔

تبلیغی سلسلہ کی یہ پہلی جماعت تھی۔ حضرت جیؒ نے بہت دعاؤں کے بعد اس کو واپس کیا اور آئندہ اس کام کو جاری رکھنے کا وعدہ کرایا۔ مزید تفصیل دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمہید

اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت کا انتظام ہر زمانے میں جاری رکھا ہے۔ اور اپنی حکمت اور اپنے علم کے ماتحت کبھی قوم در قوم کبھی قبیلہ در قبیلہ اس کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہدایت کی محنت کرنے والے اللہ رب العزت نے انبیاءؑ کے نام سے یا رسل کے نام سے موسوم فرمائے۔ اور جس قوم کے لیے

جن اصولوں کو اللہ رب العزت نے مناسب سمجھا وہ ہی اصول محنت کرنے والوں کو بذریعہ وحی یا الہام عطا فرماتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کا انتخاب بھی اللہ رب العزت نے خود ہی فرمایا حضور ﷺ تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا کہ ہر زمانے میں خاندانوں یا قوموں کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتے رہے اس کی حکمت اور مصلحت اللہ رب العزت کے علم میں ہے کہ خاندانی قبیلتی اور قومی تقسیم کی کیا وجہ تھی۔ بہر حال حضور ﷺ کی بعثت پر سابقہ ترتیب کو ختم فرما کر پورے انسانوں اور قیامت تک کے زمانوں کے لیے آقائے نادار سرور کائنات سردار انبیاء امام الرسل محمد الرسول اللہ ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر ہدایت کا ہادی اور امام قرار دے دیا گیا اور یہ فیصلہ فرما دیا کہ اب صرف وہ ہی انسان ہدایت حاصل کر سکیں گے جو حضور ﷺ کی نبوت کا اقرار کریں گے۔ اس کے علاوہ سب گمراہ قرار دیے جاویں گے۔ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ اس میں کسی رائے۔ عقل۔ علم۔ بڑائی اور کثرت و قلت کو دخل نہیں۔ اسی کے ساتھ

ساتھ آپ کی امت (آپ پر ایمان لانے والے) بھی مبعوث کی گئی۔ یعنی منتخب کی گئی یعنی چن لی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یعنی اے امت محمدیہ تم بہترین امت ہو اور تم کو چن لیا گیا ہے لوگوں کی بھلائی کے لئے اور یہ کہ حکم کرو نیکی کا اور روکو برائی سے اور ایمان رکھو اللہ پر۔

فائدہ۔ ایمان رکھو سے مراد یہ ہے کہ جب تم اس کام کو کرو گے تو اللہ رب العزت تمہیں دنیا و آخرت میں کامیاب کر دیں گے۔ اور فرمایا:۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ

یعنی کہہ دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مقصد یہ ہے کہ بلاتا ہوں (لوگوں کو) اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں بھی بلاتا ہوں اور میری اتباع کرنے والے (مجھ پر ایمان

لانے والے) بھی اس کام کو کریں گے۔

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ پورے انسانوں اور قیامت تک کے زمانوں کے لیے ہادی ہیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ آپ کی حیات صرف تریسٹھ سال کی تھی۔ جب آپ قیامت تک کے لیے نبی ہیں تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ والے کام کو کون انجام دے گا؟ اس کا جواب بھی قرآن اور حدیث میں ہی ملتا ہے اور اس کا عملی ثبوت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود محنت فرما کر جو امت پیدا کی وہ یہ ہے مبارک جماعت ہے اور یہ ہی قیامت تک کی امت کے لیے حقیقتاً نمونہ ہے۔ اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اور ان کو کس کس طرح ادا کرنا ہے۔

لیکن اللہ رب العزت کے کرم اور شفقت کے قربان جائیے کہ اس کے باوجود بھی اللہ رب العزت ہر زمانے میں امت کی رہبری فرماتے رہے۔ جہاں اور جس علاقہ میں امت پر کسی

بنیادی مسئلہ میں خامی یا گراوٹ محسوس کی فوراً اپنے مقبول بندوں میں کسی کو منتخب فرما کر اس کے قلب پر بذریعہ الہام یا انام اس کے رفع ہونے اور صحیح راستہ چالو ہونے کے اصول القاء فرمادیے۔ اور غیبی شکلوں سے اس محبوب بندے کو متوجہ فرماتے رہے کہ اس کام کو کرو۔ تاکہ امت صحیح راستہ پر آجائے۔ اس کی تفصیل "تاریخ دعوت و عزیمت" مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہ العالی کی کتاب میں ملاحظہ فرمادیں ان اوراق میں اس کی گنجائش نہیں۔)

اللہ رب العزت کا دائمی قاعدۂ کلیہ ہے کہ اگر مرض کسی قوم یا علاقہ سے متعلق ہے تو اسی کے مناسب انتظام اور اصول کی شکل کو منکشف فرمایا گیا اور اگر مرض عام ہے تو پھر عمومی نفع دینے والے اصول اور طریقے عطا کئے گئے۔

چونکہ اس زمانے میں ایمان و عمل کی لائن میں امت عمومی طور سے بگاڑ میں مبتلا ہو چکی تھی اور جن قوموں اور انسانوں کی معمولی مشابہت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے ڈرایا اور دھمکایا

تھا۔ اور بڑے بڑے عذابوں کی خبر دی تھی۔ آج امت انہی قوموں کی مشابہت تو در کنار بلکہ ان کی پیروی میں ہی اپنی فلاح اور کامیابی یقین کرنے لگی ہو۔ اور حضور ﷺ کے طریقوں کو امت کے لیڈر بے باکانہ بیکار اور دقیانوسی یا یہ کہ. گدھے خچروں کے زمانے کے دیے کہہ کر دھجی اڑاتے ہوں اور غیروں کی پیروی اور نقل اتارنے میں فخر اور حضور ﷺ کی شکل و شباہت میں ذلت محسوس کرنے لگے ہوں۔ تو پھر گمراہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا تو سوال ہی کیارہ گیا اب تو خود اس امت مسلمہ کی بھی کشتی گمراہی کے سمندر میں ڈوبی جارہی ہے۔ ایسے وقت میں اللہ رب العزت کا کرم پھر جوش میں آیا۔ اور اس زمانے کی عمومی گمراہی کو ہدایت پر لانے کے اصول و طریقے اپنے ایک برگزیدہ اور صالح بندے یعنی حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر بذریعہ الہام یا انام کے منکشف فرمائے۔ اس کی تفصیل دوسرے حصہ میں گذر چکی۔ یہاں اختصار مقصود ہے اس لیے حضرت مولانا کے بارے میں معتبر اور مستند اکابر علماء کے اقوال

لکھ کر چھ نمبروں کی تفصیل شروع کر دوں گا۔

اللہ رب العزت جس سے ہدایت کا کام لینا چاہتے ہیں اس میں ابتدا ہی سے ایسی خصلتیں اور اوصاف پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ اپنے ہم عمروں میں نرالا محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ ہی بات انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ملتی ہے اور یہ ہی چیز اس امت کے رہبروں اور داعیوں میں پائی جاتی ہے یہاں صرف حضرت مولانا کا تذکرہ ہی مقصود ہے۔ اس لیے آپ کے بارے میں چند واقعات لکھتا ہوں۔

اول حضرت [1] شیخ الہند مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہ نے بچپن میں آپ کو دیکھا تو فرمایا "الیاس میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے"۔

دوسرے "امی جی" جو کہ خاندان مشائخ کاندھلہ کی بہت بڑی عابدہ زاہدہ اور باکرامت نیک وصالح عورت تھی اور ان کا تذکرہ "مشائخ [2] کاندھلہ" میں ہے۔ حضرت مولاا بچپن کیزمانے میں جب آپ کے قریب کہیں ہوتے تو فرماتے کیا

---

[1] حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ سے بارہا سنا اور کسی کتاب میں دیکھنا بھی یاد پڑتا ہے۔ انشاءاللہ تلاش کر کے اس کا حوالہ بھی دوں گا۔ [2] مشائخ کاندھلہ۔

الیاس اختر آگیا۔ ''مجھے اس میں سے صحابہؓ کی بو آتی ہے''۔

آپ آخری عمر میں نابینا ہو گئی تھیں اس لیے دکھائی نہ دیتا تھا۔ حضرت کو خوشبو سے ہی پہچان لیتی تھیں۔ دوسرے بچوں کو کسی دوسرے سے یا خود اس بچے سے معلوم کر کے پہچانتی تھیں۔

تیسرے۔ جب حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے تبلیغی کام شروع کیا اور میوات والوں کو گھروں سے نکال کر جماعتیں بنا بنا کر یوپی کے علاقہ میں روانہ کرنی شروع کیں تو اکثر علماء میں تذکرے شروع ہو گئے کہ یہ کیا ہے۔ مولانا نے یہ کیا شروع کر دیا۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے کانوں میں جب یہ خبریں پہنچیں تو آپ گھبرا گئے اور فرمایا کہ لوگ تو علماء کی بات بھی قبول کرنے کو آمادہ نہیں۔ یہ میوات کے ان پڑھ لوگ کیا تبلیغ کریں گے۔ یہ تبلیغ نہیں بلکہ دین میں ایک نیا فتنہ ہے۔ یا امت میں ایک نیا فتنہ فرمایا۔

حضرت جی نے دوسرے علماء کے فرمان بھی سنے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا فرمان بھی سنا لیکن کسی قسم کا

جواب نہ دیا۔ نہ زبانی نہ تحریری۔ وقت کا انتظار فرماتے رہے۔

حضرت جی نے ۱۹۳۳ء میں سردیوں کے موسم میں میوات سے دو سو ڈھائی سو کے قریب دو ماہ کے لیے لوگوں کو نکال کر وہی لائے جماعتیں بنائیں۔ علاقے تجویز کیے۔ اور حضرت [1] شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے دہلی کی شاہ جہاں مسجد عرف جامع مسجد سے جماعتوں کو ہدایات دلا کر دعا کرا کر روانہ کرایا۔ کچھ جماعتیں کرنال پانی پت کی طرف روانہ کیں۔ کچھ سہارنپور کے اطراف میں اور کچھ کاندھلہ کے چاروں طرف کے علاقہ میں روانہ کیں۔

وقت پورے ہونے پر ہر ایک کے لیے کوئی مقام طے کر دیا کہ وہاں سب جمع ہو جانا میں آکر واپسی کی باتیں سمجھا کر اور

---

[1] حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ جماعتوں کو ہدایت فرما رہے۔ جوش بیان میں فرمایا کہ یہ کام وہ ہے کہ اس سے باطل ختم ہو گا اور انگریزوں کی حکومت ہندوستان سے مٹ جائے گی اور اس لال قلعہ پر یہ جھنڈا جو لہلہا رہا ہے۔ سرنگوں ہو گا۔ انشاء اللہ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ لال قلعہ کا جھنڈا بغیر کسی ظاہری سبب کے گر گیا۔ جامع مسجد اس وقت بھری ہوئی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر سب نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ حضرت شیخ الاسلام نے ڈانٹ کر فرمایا کہ آج لوگ اپنے سارے جوش کو نعروں میں ختم کر دیتے ہیں۔ میں ایک عمل کو بتلا رہا ہوں۔ اس کو سمجھو۔

مصافحہ کر کے چھٹی دے دوں گا۔

کاندھلہ کے اطراف کی جماعتوں کو آخری وقت میں کاندھلہ میں ہی جمع ہونے کو فرمایا۔

وہ ایام بھی آگئے کہ جماعتوں کا وقت پورا ہو گیا۔ یہ لوگ جو کہ کاندھلہ کے اطراف میں بھیجے گئے تھے کاندھلہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت تشریف لائے بہت ہی مسرور اور مگن تھے۔ اپنے خاندان والوں سے کہہ کہہ کرا پر تکلف دعوتیں کھلائیں اور ان کے کام کو خوب سراہا۔ پھر فرمایا کہ۔

دوستو! تم کل ساٹھ آدمی ہو۔ اپنے میں سے صرف آٹھ آدمی آٹھ یا دس دن کے لیے مجھے ایسے دے دو کہ میں جہاں ان کو بھیجوں وہاں چلے جاویں۔ لیکن سب کو گھر کا شوق اس قدر تھا کہ کوئی بھی نہ بولا۔ آپ دو دن تک ترغیب دیتے رہے۔ کبھی حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب ترغیب دیتے کبھی آپ دیتے۔ دوسرے یا تیسرے دن بندہ نے عرض کیا کہ حضرت میں تیار ہوں۔ حضرت بہت خوش ہوئے گلے سے لگا لیا۔ خوب دعائیں

دیں۔ پھر حضرت نے سارے احباب کو متوجہ کر کے فرمایا کہ یہ بچہ تیار ا[1] ہے۔ کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ کہ عمر میں تم سے کم اور حوصلہ میں سب سے بلند۔

اس کے بعد نمبر دار محراب خاں صاحبؒ فیروز پور نمک۔ منشی نصر اللہ صاحبؒ نوح۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب فیروز پور نمک۔ حاجی سعد اللہ صاحبؒ رائیسنہ مولوی ابراہیم صاحب شاما کا۔ عبداللہ سقہ فیروز پور نمک نے بھی ارادہ فرمالیا۔ ایک لڑکا فیروز پور نمک کا اور بھی تھا۔ جس کے بارے میں صحیح یاد نہیں آرہا کہ کونسا تھا۔ غالب گمان حسن خاں کا ہے۔

یہ کل آٹھ نفر کی جماعت تھی۔ منشی نصر اللہ صاحب کو امیر مقرر فرمایا اور نمبردار محراب خاں کو ذمہ دار قرار دے کر حضرت نے بہت دعاؤں کے ساتھ اس مختصر سی جماعت کو مندرجہ ذیل ہدایتیں دے کر روانہ فرمایا۔

---

[1] بندہ کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔

روانگی کی ہدایتیں از حضرت مولانا :۔

وقت گذارنے کے اصول اور اعمال بتلانے کے بعد فرمایا تمہاری جماعت کو تھانہ بھون بھیجا جارہا ہے۔ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے تھانہ بھون کے قرب و جوار میں کام کرتے رہنا اور اس قدر محنت کرنا کہ حضرت تھانویؒ تک تمہاری محنت کے تذکرے پہنچنے لگیں۔ یہاں تک کہ آپ کی طرف سے تمہاری جماعت کے تھانہ بھون پہنچنے کا حکم آجائے۔

قرب و جوار میں صرف آٹھ یوم کام کرنا۔ اگر اس عرصہ میں حضرت کا پیغام مل جائے تو تھانہ بھون چلے جانا اور اگر پیغام نہ پہنچے تو تو واپس نظام الدین آجانا۔

اگر پیغام مل جائے تو بہت استغفار کرتے ہوئے اللہ سے دعائیں مانگتے ہوئے سیدھے حضرت کی خانقاہ میں پہنچ جانا اور بہت ہی آداب واحترام کے ساتھ داخل ہونا۔ جب حضرت تمہیں بلاکر کام کے بارے

میں پوچھیں تو صحیح صحیح اور صاف صاف مختصر الفاظ میں کام کے اصول اور طریقے عرض کر دینا۔ کسی بات میں جھجک اور ڈرنا مت۔

اگر حضرت دریافت کریں کہ کتنے دن ٹھہرو گے تو عرض کرنا کہ تین یوم۔ اس کے بعد اگر حضرت زیادہ ٹھہرنے کو فرماویں تو عرض کر دینا کہ جتنا حضرت فرماویں اسی قدر ٹھہرنے کو ہم تیار ہیں۔

کھانے کے بارے میں دریافت کریں تو صاف عرض کر دینا کہ اپنا پکاتے ہیں۔ اگر حضرت کھانا کھلاویں تو بہت ہی شوق اور رغبت کے ساتھ قبول کر لینا کہ بزرگوں کے سوکھے ٹکڑے بھی بڑی بڑی نعمتوں سے بہتر ہیں۔

روانگی کی ہدایات اور نصائح کے بعد دعا فرمائی۔ جس میں آپ پر اس قدر گریہ تھا کہ سارا مجمع بھی روتا رہا۔ اس سب سے فراغت کے بعد جماعت کو روانہ فرمایا کاندھلہ سے باہر دور تک آپ ساتھ چلتے رہے اور یہ آپ کا معمول تھا کہ جماعت روانہ

کرتے وقت دور تک پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے۔ چلتے چلتے بھی نصائح فرماتے رہے ایک طرف آپ پر انتہائی مسرت کے آثار اور اسی میں کبھی کبھی اس قدر فکر اور بوجھ محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے بدن مبارک میں تھر تھری پیدا ہو جاتی۔ الغرض جماعت کو دور تک پہنچا کر آپ لوٹے اور مڑ مڑ کر بار بار آپ دیکھتے جاتے اور کاندھلہ کی طرف چلتے جاتے۔ یہ ہی حال جماعت کا رہا۔

چونکہ آپ نے قیام کے مقامات طے نہیں فرمائے تھے اور فرما دیا تھا۔ جہاں مناسب سمجھو ٹھہر جانا۔ سفر پیدل تھا۔ مغرب کے وقت شاملی پہنچے۔ سردی کا موسم تھا اس لئے ساتھیوں کا مشورہ شامل ہی قیام کرنے کا ہو گیا۔ وہاں گشت کیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ مختصر سی بات رکھی تشکیل بھی کی۔ مقامی کام کے لئے جماعت بن گئی۔ رات گذار کر صبح پھر چلدئے۔ کہاں جاویں۔ سمجھ کام نہیں کرتی تھی۔ چلتے چلتے بمقام کیڑی پہنچے وہیں ٹھہرنا طے گیا۔ مسجد میں داخل ہوئے۔ عصر کا وقت قریب تھا۔ وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر تحیۃ المسجد پڑھی۔ مشورہ

کیا کہ اذان لگ گئی۔ امام صاحب سے ملاقات کی۔ آنے کی غرض سامنے رکھی۔ امام صاحب خاموش رہے۔ مسجد میں اہل حدیث حضرات کا غلبہ تھا اس لئے نماز جلدی ہی ہو گئی۔ نماز کے بعد ایک صاحب نے امام صاحب سے پوچھا۔ یہ بسترے کیسے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ایک جماعت ہے جو نظام الدین سے آئی ہے اور میوات کے لوگ ہیں۔ کڑک کر کہا۔ کسی جماعت ؟ کیوں آئی ہے ؟ کیا کرے گی ؟ یہاں ضرورت نہیں۔ ان سے کہہ دو یہاں سے چلے جاویں۔

ان باتوں کو سن کر جماعت سہمی سی ہوئی۔ دل ہی دل میں دعا کرتی رہی۔ اشاروں ہی اشاروں میں امیر صاحب سے مشورہ کرتے رہے کہ امیر صاحب اٹھے۔ ان صاحب سے مصافحہ کیا اور اپنا مقصد بیان کیا اور بتایا کہ ہم گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں لاتے ہیں کلمہ سکھاتے ہیں، نماز کو کہتے ہیں اور اپنا پکا کر کھاتے ہیں تو بمشکل اس پر راضی ہوئے کہ گشت و بیان کی اجازت ہے۔ قیام کہیں اور جگہ کرنا۔

خدا کا شکر ادا کیا بعد میں امام صاحب سے تحقیق کیا کہ یہ
کون صاحب تھے تو فرمایا کہ یہ نواب عبدالکریم ہیں اور یہ چار
بھائی ہیں۔ ان میں سے دو اہلحدیث ہیں اور دو حنفی ہیں اور یہ سب
سے بڑے ہیں۔ سارے بھائی ان کا اکرام اور احترام کرتے ہیں
نیک ہیں۔ دیندار ہیں اور صوم و صلوٰۃ کے چاروں بھائی پابند ہیں۔
ان کے پچاس گاؤں ہیں اور نواب عبدالکریم کے ذمہ ہی سارا انظام
ہے۔ عبدالکریم خاں صاحب سے چھوٹے بھائی کا نام یاد نہیں۔
تیسرے بھائی عبدالحمید خاں اور سب سے چھوٹے عبدالمجید خاں
ہیں۔ یہ دونوں حنفی ہیں۔ اور حضرت تھانوی سے بیعت ہیں۔

عشاء سے پہلے گشت کیا۔ بستی کے لوگوں میں سے
بھی ہمراہ تھا۔ بے نمازیوں کی اکثریت تھی لیکن ذرا سمجھانے اور
ایمان و نماز کی بات سننے سے لوگ مسجد کو آتے رہے اور جس مسجد
میں مغرب کی نماز میں ایک صف بھی بمشکل ہوئی تھی۔ عشاء
میں مسجد کے اندر اور مسجد کے صحن میں جگہ بھی نہ مل سکی۔
راستے اور چوپال [1] کے اندر باہر سب بھر گئے۔

[1] مسجد کے برابر ہی چوپال تھی۔

عشاء کی نماز ادا کی۔ دعا کے بعد اعلان ہوا۔ اور سارا مجمع بیٹھ گیا۔ منشی نصر اللہ صاحب نے بیان کیا۔ آخر میں اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی۔ بہت سے لوگوں نے ارادے کیے پھر دعا کی۔

نواب عبد الکریم خاں صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرات میری خطا کو معاف فرمادیں۔ مجھے تمہارا کام بہت پسند آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں ہمارے سارے گاؤں کے کاشتکار نمازی بن جاویں۔ لیکن ہماری کوئی کوشش کارگر نہ ہو سکی۔ آپ والی شکل بہت ہی مؤثر ہے اس لیے آپ یہاں ہی قیام فرمائیں۔ میں خود اور میرے بھائیوں یا ہمارے لڑکوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کے ہر وقت ساتھ رہے گا۔ اوز کھانے کا آپ فکر نہ کرنا اس کا انتظام ہم کریں گے۔

جماعت نے کھانے سے تو معذرت کر دی۔ صرف ایک وقت کی دعوت ان حضرات کے اصرار کی وجہ سے قبول کی۔ آٹھ دن کا نظام بنایا اور اس چھوٹی سی ریاست میں گاؤں گاؤں پھر کر کام کرتے رہے۔ ہر بستی میں مسجدیں بھر گئیں۔

نواب عبدالحمید خاں اور ان کے بھائی کا معمول تھا کہ دونوں میں ایک روزانہ تھانہ بھون جائے اور حضرت کی مجلسوں میں شرکت کرے اس لیے یہ حضرات جماعت کی کارگذاری حضرت کو سناتے رہے اور ادھر ہم سے بھی حضرت کے تاثرات کا ذکر کرتے رہے۔ اور فرمایا کرتے کہ حضرت تمہارے کام سے بہت ہی خوش ہیں۔

یہ جماعت جمعہ شاملی میں پڑھ کر اسی دن کیڑی پہنچ گئی تھی اور ہفتہ کو جمعرات تک کا نظام بن گیا تھا۔

جمعرات کی سب میں نواب عبدالحمید خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت نے فرمایا کہ جماعت سے کہنا کہ جمعہ تھانہ بھون آکر پڑھے۔

حضرت جی کے فرمان کی وجہ سے جماعت کو انتظار تھا کہ وہ مبارک دن کب آئے گا کہ حضرت تھانوی کا حکم آئے اور ہم تھانہ بھون حاضر ہوں چنانچہ نواب صاحب کا پیغام کیا تھا گویا عید کے چاند کی اطلاع مل گئی۔

رات گذارنی بھاری ہو گئی اکثر نے نماز۔ تلاوت اور ذکر میں زات گذاری اور فجر کی نماز کے بعد ہی روانگی کی تیاری میں لگ گئے۔ آج سورج نے نکلنے میں بھی اپنا ناز دکھایا۔ خدا خدا کر کے اشراق کا وقت ہوا اور نماز اشراق ادا کرتے ہیں جماعت تھانہ بھون کو روانہ ہو گئی۔ سب ساتھیوں کو اس قدر خوشی تھی کہ شوق میں پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے صبح صبح ہی تھانہ بھون میں سیدھے خانقاہ امدادیہ والی مسجد میں پہنچ گئے۔

حضرت کے خدام منتظر تھے۔ ہاتھوں ہاتھ جماعت کو لیا۔ شمالی جانب مدرسہ میں سامان رکھایا۔ ڈھیلہ۔ استنجا خانہ۔ غسل خانہ وغیرہ بتلائے اور فرمایا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو جاؤ۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت سے ملاقات ہو گی۔ اتنے میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مد ظلہ العالی تشریف لے آئے۔ آپ کو ہم پہنچانتے تھے کیونکہ آپ کی میوات اور نظام الدین تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ آپ نے جماعت کو بٹھایا اور رہنے سہنے اور کام کرنے کے اصول معلوم کئے۔ امیر صاحب اور نمبر

دار محراب خانصاحب نے سارے اصول عرض کر دیے۔ آپ نے فرمایا کہ بعینہ حضرت کے سامنے بتا دینا اگر تم کچھ بھول جاؤ گے تو میں یاد دہانی کرادوں گا اور آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضری کے آداب اور اصول بھی بتلا دیے پھر تشریف لے گئے۔ جماعت اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر مسجد میں اگلی صف مین جگہ لے کر نماز۔ تلاوت میں مشغول ہو گئی۔

جمعہ کی اذان ہوئی۔ لوگ آنے شروع ہوئے۔ مسجد بھر گئی۔ حضرت بھی تشریف لائے جماعت پر ایک نظر ڈالی اور منبر پر تشریف لے گئے۔ مؤذن نے خطبہ کی اذان دی اور حضرت نے خطبہ اور نماز جمعہ پڑھائی۔

نماز سے فراغت کے بعد کوئی صاحب آئے اور فرمایا کہ جماعت کو حضرت یاد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ جماعت حاضر خدمت ہو گئی۔ حضرت مصافحہ کرتے رہے اور اپنے بائیں [1] جانب بیٹھنے کا اشارہ فرماتے رہے۔ جب مصافحہ سے فارغ ہو گئے اور جماعت

---

[1] یہ جگہ مخصوص مہمانوں کے لیے مقرر تھی اور جس کو حضرت بٹھاتے وہ ہی بیٹھ سکتا تھا۔ دوسرے حضرات سامنے یا دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے۔

بیٹھ گئی تو حضرت نے پہلے خیریت معلوم کی۔ اور پھر کام کے اصول اور طریقے اور رہنے سہنے کا نظام معلوم کیا۔ امیر جماعت نے سب عرض کر دیا جس میں یہ بھی بتلا دیا کہ ہم اپنا کھانا کھاتے ہیں اور یہ کہ کسی ایک نماز سے پہلے گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں لا کر کلمہ و نماز کی اہمیت اور ضرورت بیان کر کے ان کے سیکھنے کے لیے وقت فارغ کرنے کو کہتے ہیں جسے ہم تشکیل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

قیام کے بارے میں حضرت نے دریافت کیا۔ تو امیر صاحب نے عرض کیا کہ اس بارے میں مقامی[1] حضرات کے مشورے سے جو طے ہو جاوے وہاں قیام کر لیتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا قیام مولوی نصیر احمد صاحب کی کوٹھی[2] میں تجویز ہوا ہے۔ اور کام کے بارے میں مولوی ظفر احمد صاحب تجویز ہوئے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ رہیں گے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا

---

[1] ابتدا میں یہ ہی اصول تھا کہ مسجد میں قیام کرنے کو نہ کہا جاوے کیوں کہ اس کو لوگ معیوب سمجھتے تھے۔ [2] یہ کوٹھی حضرت کی مسجد کے بالکل قریب تھی۔

کہ جماعت کو ساتھ لے جا کر عصر کی نماز فلاں مسجد اور مغرب کی فلاں میں اور عشاء کی جامع مسجد میں پڑھنا۔ اور ان کے کام کو اچھے طرح دیکھنا۔ اور سمجھنا اور کل صبح نماز کے بعد معہ جماعت کے میرے پاس یہاں آکر کار گذاری سنانا۔

حضرت کی مجلس کے ختم پر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب جماعت کو لے کر نظام کے مطابق مسجد میں گئے اور راستے میں فرماتے جا رہے تھے کہ تمہارا ہمارا یہاں آنا سمجھ میں تو آیا نہیں لیکن حضرت سے استفادہ و استغاضہ حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا کہ اتنے میں مقررہ مسجد آگئی اور گشت شروع کر دیا حضرت مولانا ہی رہبری فرما رہے تھے پہلے پہلی ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا اور حضرت مولانا اسے خوب پہچانتے تھے۔ جماعت کے متکلم نے سلام کیا سلام و مصافحہ کے بعد ایمان کی باتیں کی اور کلمہ طیبہ پڑھنے کو عرض کیا وہ صاحب پہلے تو شرمائے لیکن حضرت کے فرمانے سے انہوں نے کلمہ پڑھا۔ کلمہ میں کئی غلطیاں نکلیں۔ جماعت

کے متکلم نے ہمت افزائی کرتے ہوئے یاد کرنے اور عصر کی نماز کو مسجد میں ادا کرنے کی درخواست کی وہ ساتھ ہو گے تقریباآدھ گھنٹہ گشت ہوا تھا کہ بہت سے بے نمازی ملے جو سمجھانے مسجد میں آ گئے۔ اور بہت سے لوگوں کو کلمہ بالکل یاد نہیں تھا اور اکثر کی غلطیاں نکلیں یہ حال دیکھ کر حضرت مولانا سہم گئے اور شرم سی چھا گئی اس مسجد میں نماز اور بیان سے جب فارغ ہو گئے تو مولانا نے دوسری مسجد کی راہ لی۔ جماعت سے پوچھا ہی نہیں جماعت ساتھ ہولی۔ دوسری مسجد میں مغرب سے پہلے گشت اور نماز کے بعد بیان ہوا پھر حضرت مولانا جامع مسجد لے گئے وہاں بھی عشاء سے قبل گشت عشاء کے بعد بیان ہوا۔ جماعت کے آدمی نے تقریباپونہ گھنٹہ بیان کیا لیکن مجمع اس قدر تھا کہ جامع مسجد اندر اور باہر سے بھری ہوتی تھی وہاں کے لوگوں کا بیان تھا کہ اس مسجد میں جمعہ کے دن بھی کبھی اتنے لوگ جمع نہ ہو سکے کچھ مجمع کچھ قصبہ کا حال سامنے آیا کہ تقریباستر پچھتر فی صدی بے نمازی یہ بھی میں ڈرتے ہوئے لکھ رہا ہوں ورنہ بے نمازیوں کی تعداد کی نسبت اس سے بھی زیادہ

تھی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب سے نہ رہا گیا اور فرمانے لگے کہ اگر تم لوگ اجازت دو تو میں کچھ کہہ لوں۔

جماعت نے بخوشی منظور کر لیا بلکہ عرض کیا کہ حضرت ہم تو حکماً بیان کرتے رہیں ورنہ اصل بیان ہر جگہ آپ کا ہی ہونا چاہیے تھا۔ حضرت نے بیان شروع کیا تقریباً ڈھائی گھنٹہ بیان فرمایا اور اہل قصبہ کو خوب شرم دلائی اور اپنا زعم ظاہر فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ جب کہ تھانہ بھون سے آج پورے ہند کے لوگ فیض حاصل کرنے یہاں آرہے ہیں تو تھانہ بھون تو سب دیندار اور نمازی اور بہت ترقی پذیر ہو گا۔ لیکن آج تم نے ہماری ناک کٹوادی کہ یہ میوات کے ان پڑھ لوگ یہاں آکر تم کو کلمہ صحیح کرا رہے ہیں اور مسجدوں میں پہنچارہے ہیں حضرت جب یہ سنیں گے تو کس قدر غم ہو گا۔

حضرت مولانا کے بیان کی وجہ سے رات کے بارہ بج گئے تھے دوکانیں بند ہو چکیں، جماعت دن بھر کی مشغولی اور حضرت مولانا کی ہم رکابی کی وجہ سے کچھ پکانہ سکی۔ اور بھوک کا یہ حال کہ

گویا آج ہی سب دنوں کی جمع ہو کر لگ گئی ہے حضرت مولانا آگے آگے جماعت پیچھے پیچھے چلتی رہی اور خوموشی سے چپکے چپکے مشورہ کر کے دو آدمی بازار بھیج دیے کہ کسی طرح کچھ نہ کچھ لے کر آویں۔ چاہے چنے ہی مل جاویں بہت سے لوگ ساتھ لگ گئے تھے دو آدمیوں کے نکل جانے سے کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور مولوی نصیر احمد صاحب کی کوٹھی پر پہنچا کر حضرت مولانا اپنے گھر اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ یہ دو آدمی بازار گھومتے رہے کچھ نہ ملا پھر ایک بھڑ موجا (یعنی چنا بھوننے والا) کے گھر کا انداز کر کے کہ وہ کالا ہو رہا تھا دھویں۔ کے اثرات چاروں طرف دیوار اور چھپر پر نمودار تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا پہلے تو وہ چور سمجھا اور شور کرنے کا ارادہ کیا جب ان لوگوں نے بیٹری کے ذریعہ اپنے کو دکھایا اور بتلایا کہ ہم چور نہیں ہیں جماعت والے ہیں شاید تم نے بھی دن کو گشت کرتے دیکھا ہو گا۔ اس نے اقرار کیا اور اسے تسلی ہو گئی دوآبہ میں یہ دستور تھا کہ چنے والا گڑ بھی رکھتا تھا اس لیے ان دونوں نے بھنے ہوئے چنے اور گڑ خرید لئے۔ اور اسے پیسہ

دے کر کوٹھی پر آ گئے۔ جماعت خوش ہو گئی کوٹھی میں سناٹا تھا۔ کسی فرد کا پتہ نہیں صرف دربان باہر کے دروازے میں گہری نیند میں خراٹے بھر رہا تھا پھر بھی احتیاطاً کھڑکی اور دروازے بند کر کے آہستہ آہستہ چنے چبا کر سو گئے اور امیر صاحب نے تاکید کر دی کہ کسی سے تذکرہ تک نہ کرنا آج رات میں ہم نے چنے چبائے تھے۔

تہجد میں سب اٹھے کوٹھی میں ہی نوافل اور ذکر جہری باتسبیحات اور تلاوت سے فراغت حاصل کر کے فجر کی نماز حضرت تھانویؒ کے پیچھے مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد حضرتؒ نے فوراً جماعت کو بلایا جماعت حاضر ہوئی اور دوسرے حضرات بھی آکر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اس کام کو کیسا پایا۔ حضرت مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور قصبہ کا حال اور جماعت کے ذریعہ نفع کی شکل بیان فرمائی۔ پھر حضرت نے جماعت سے دریافت فرمایا کہ رات کیسی گذری عرض کیا کہ حضرت بہت اچھی گذری ہر طرح سے آرام پایا۔ حضرت نے پھر اہل مجلس سے فرمایا کہ تم میں

سے کوئی ہے کہ ان کو اس وقت چائے پلائے مولوی نصیر احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اجازت ہو جائے۔ فرمایا خالص چائے نہیں کچھ اور بھی اس کے ساتھ ہو وہ تشریف لے گئے اور تھوڑے عرصہ کے بعد ایک دیگچی چائے کی بھری ہوئی اور ایک ٹوکرا بسکٹ تازہ تازہ لے کر آئے اور دس بارہ چینی کے بڑے بڑے پیالے حضرت نے فرمایا۔ بھر بھر کر دو اور دستر خوان بچھا کر سارے بسکٹ ان کے سامنے ڈال دو تا کہ خوب سیر ہو کر کھالیں۔ چنانچہ پیالے بھر بھر کر ہر ایک کے سامنے رکھے گئے اور بسکٹ بھی پھیلا دیئے گئے۔ لیکن جماعت والوں نے ہاتھ نہ لگایا۔ حضرت بار بار فرماتے رہے اور جماعت والے خاموشی سے سنتے رہے۔ حضرت سمجھ گئے اور فرمایا بھائیو! مجھ سے غلطی ہو گئی میں بالکل بھول گیا تمہارا تو اصول ہی یہ ہے کہ اپنا کھاتے ہو اور میں خود بھی اصولی آدمی ہوں اور اصولوں کی پابندی کو لازمی سمجھتا ہوں۔ یہ بہت ہی پسندیدہ صفت ہے کہ تم نے اپنے اصولوں کی پابندی کی اچھا یہ بتاؤ کہ مولویؒ الیاسؒ نے دعوت قبول کرنے کا

بھی کوئی اصول بتلایا ہے یا صرف انکار ہی انکار کا اصول رکھا ہے۔
جماعت والوں نے عرض کیا حضرت دعوت قبول کرنے کا بھی اصول بتلایا ہے۔

حضرت :۔ "اس کی کیا صورت ہے؟"

امیر جماعت :۔ "جس کام کے لیے ہم نے گھر چھوڑا ہے وہ بھی اس میں وقت لگانے کا ارادہ نکل جانے کا نقد ارادہ کرتے"

حضرت :۔ "کتنا وقت تم لوگ مانگتے ہو"

امیر جماعت :۔ "تین چلے"

حضرت :۔ اگر کوئی تین چلے نہ دے سکے تو؟"

امیر جماعت :۔ ایک چلہ دیدے"

حضرت :۔ اگر ایک چلہ بھی نہ دے سکے تو؟"

امیر جماعت :۔ بیس یوم کو نکل جائے"

حضرت :۔ "اچھا کم سے کم کتنے وقت دینے پر دعوت قبول کر لیتے ہو؟"

امیر جماعت :۔ "تین یوم ہمارے ساتھ رہنے پر"

حضرت :۔ ''اگر کوئی اتنا بھی وقت نہ لگا سکے تو؟''

امیر جماعت :۔ ''آخری حد یہ ہے کہ چوبیس گھنٹہ ہمارے ساتھ رہے''

حضرت :۔ ''اگر یہ بھی نہ ہو سکے اور وہ معذور ہو تو؟''

امیر جماعت :۔ پھر ہم اس کے عذر کو دیکھیں گے اگر وہ واقعی شرعاً معذور ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ عذر کے ختم ہونے پر نکلنے کا پختہ وعدہ اور ارادہ کرے اور اس وقت تک اس کام کے لیے دل سے دعا کرتا رہے۔

حضرت یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کی دعوت کروں۔ لیکن میں اس قدر معذور ہو چکا ہوں کہ گھر سے مسجد تک آنے جانے میں بھی ذقت ہوتی ہے۔ اگر آپ حضرات کے نزدیک میرا یہ عذر قبول ہو تو میری دعوت قبول کر لو۔ ورنہ میں بخوشی اس پر راضی ہوں کہ تم بے جھجک انکار کر دو۔

اہل اللہ کے دستر خوان کے سوکھے ٹکڑے بھی بڑی بڑی نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہیں

یہ سن کر پوری جماعت رونے لگی اور امیر صاحب نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت جیؒ نے ہم کو یہ اصول بتایا ہے کہ اہل اللہ کی دعوت بے عذر قبول کر لینا کیوں کہ ان کے دستر خوان کے سوکھے ٹکڑے بھی دنیا کی بڑی بڑی نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اور اللہ کا شکر ادا کرنا کہ زہے قسمت کہ اللہ نے اپنے ولی کے دستر خوان پر کھانے کا موقع عنایت فرمایا۔ اور اسے بزرگوں کی شفقت اور کرم یقین کرنا۔

اسے سن کر حضرت باغ باغ ہو گئے اور ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور بار بار فرماتے رہے۔ ''مولانا الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا''۔ مولاان الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ چائے اور بسکٹ میرے عزیز مولوی نصیر صاحب کی طرف سے ہے اور میں ان کی سفارش کرتا

ہوں کہ تم اسے قبول کر لو اور چار وقت کھانے کی دعوت میری طرف سے قبول کر لو۔ دو دو پہر دو شام ناشتہ میں تمہیں اختیار ہے کہ اپنا کرو یا کسی دوسرے کا اپنی شرائط کے ماتحت قبول کر لو۔

کسی حضرات صحابہؓ کو دیکھنا ہو تو ان لوگوں کو دیکھ لو:

پھر اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ حضرات صحابہؓ کیسے تھے تو ان لوگوں کو دیکھ لو۔

پھر فرمایا کہ ایک بات رہ گئی۔ وہ یہ کہ تھانہ بھون میں کتنے دن قیام رہے گا۔ امیر جماعت نے عرض کیا کہ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ تین دن تھانہ بھون میں ٹھہرنا لیکن اگر حضرت کی طرف سے زیادہ دن ٹھہرنے کا حکم ہو تو پھر جتنا حضرت فرماویں اتنے دن ٹھہر جانا۔

حضرت اس کو سن کر اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس قصبہ میں باون مسجدیں ہیں اس لئے کم سے کم آٹھ یوم کا قیام چاہتا ہوں۔ جماعت نے بخوشی منظور کر لیا اور حضرت نے بہت دعائیں دیں۔ اور فرمایا کہ اللہ رب العزت جس سے جو کام

چاہیں لے لیتے ہیں۔ یہ کام مولانا الیاسؒ کے حصہ میں آیا۔ یہ بہت ہی اونچا کام ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کام سے امت کو نفع ہو گا۔ اللہ اسے قبول فرماویں۔ اور اس میں برکت فرماویں۔ اور اپنی تائید و نصرت کو شامل حال فرماویں اور شرو شرور اور فتن سے حفاظت فرماویں۔

حضرت نے مولانا ظفر احمد صاحب سے فرمایا کہ اس جماعت کا آٹھ دن کا نظام بنا دو اور خود بھی ان کی نصرت کرتے رہنا۔ اور اہل مجلس سے فرمایا تم سب لوگ بھی ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے کی کوشش کرتے رہنا۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے مسجدوں کی ترتیب دی اور گشت و تعلیم کے اوقات مقرر کیئے۔ آٹھ دن تک قصبہ مین محنت ہوتی رہی اور ہر طرف چلت پھرت۔ چھل پہل نظر آنے لگی۔ حضرت نے ایک وقت اپنی حاضری کا مقرر فرمایا تھا۔ اس میں کارگذاری سنتے اور خوب دعائیں دیتے رہے۔ آٹھ دن کے بعد جب واپسی کے ارادے سے دعا کی خاطر حاضر ہوئے تو

فرمایا جی تو بھرا نہیں۔ لیکن بھائی تم لوگ بھی اہل ضرورت ہو۔ گھر کے تقاضے تمہارے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں اس لئے خوشی سے اجازت دیتا ہوں لیکن واپسی میں رام پور منیہاران میں بھی قیام کرتے ہوئے جائیں تو بہت اچھا ہے کہ وہاں میرے خاص لوگ ہیں اور وہاں کئی خصوصیتیں حاصل ہیں۔ جماعت نے وعدہ کر لیا اور حضرت نے بہت دعاؤں کے بعد جماعت کو روانہ کر دیا۔ رامپور منیہاران میں دودن کام کر کے جماعت نظام الدین آگئی۔

ایک دفعہ حضرت (مولانا محمد ذکریا) شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور دامت برکاتہ نے فرمایا کہ تبلیغ کو میرے چچا جان نے شروع کیا۔ میں بے عذر ان کے ساتھ اجتماعات میوات میں شرکت بھی کرتا رہا۔ اور اگر مشورہ لیتے تو جم کر دیتا رہا۔ اور کس کس طرح چچا جان نے مجھے سمجھایا اور فرمایا کہ تجھے بھی اس کام کے بارے میں شرح صدر ہے یا نہیں۔ لیکن مجھے شرح صدر نہیں ہوا۔ اسی طرح میرے بھائی اور داماد مولوی یوسفؒ کے ساتھ معاملہ رہا۔ اور ان کی ہر طرح کی اعانت اور تائید کرتا رہا اور

اللہ کی بارگاہ میں بھی دعا کرتا رہا لیکن شرح صدر نہ ہوا۔

کام پھیلتا رہا۔ ہر طرف سے جماعتیں آنے لگیں۔ بزرگوں کی تائید ہونے لگیں۔ لیکن میرا وہ ہی حال کہ شرح صدر نہ ہوا۔ میں پریشان تھا کہ یا اللہ میں کیا فیصلہ کروں۔ کام بظاہر بہت نافع معلوم ہو رہا ہے اور اس کے منافع ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن مجھے کیا ہوا کہ دل میں آتا ہی نہیں۔ پھر ایک واقعہ بیان کیا ہے :۔

ایک زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر غیر مقلدیت کا غلبہ ہوا۔ آپ اللہ رب العزت کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو آواز آئی یا جو بھی شکل ہوئی کہ اے ولی اللہ ہماری حمایت تو حنفیت کے ساتھ ہے۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ تبلیغ کے بارے میں مجھے بھی بتایا گیا کہ ہماری حمایت تو تبلیغ کے ساتھ ہے۔

اس سب سے یہ بتانا مراد ہے کہ تبلیغی محنت من گھڑت اور کسی شخص یا جماعت کی اپنی اختراع نہیں بلکہ امت کی عام بے دینی اور باطل طریقوں میں کامیابی کے ذہن کو حق کی طرف بدلنے اور صحیح راستے پر لانے کے لیے اللہ رب العزت اپنی

عادت جاریہ نے کے تحت اس محنت کو ظاہر فرمایا اور اس کام کو لینے کے لیے خود اللہ رب العزت نے ہی محض اپنے لطف و کرم اور امت پر شفقت کے تحت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کو انتخاب فرمایا اور اللہ نے ہی حضرت مولانا پر ایسے اصول اور طریقے منکشف فرمائے جو اس زمانے کی بے دینی اور گمراہی کا علاج بن سکیں اور یہ اصول سراسر قرآن و حدیث کی روشنی اپنے اندر لیے ہوئے ہوں۔

"موجودہ پستی کا واحد علاج"[1] میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تبلیغی کام اور اس کی تائید اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ زمانے کے لحاظ سے سامنے آجائے۔ سو وہ اس مضمون سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس زمانے میں امت کی اصلاح و ہدایت کی محنت کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو

---

[1] یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس کو حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب نے لکھا ہے۔ اور حضرت جیؒ نے اس کو پسند فرما کر ابتداء میں جماعتوں کی تعلیم کے لیے تجویز فرمایا تھا۔ قیمت ۳۰ نئے پیسے انگریزی ۶۰ پیسے۔

روزِ ازل میں ہی چن لیا تھا۔ اور آپ کے اندر ابتداء ہی سے اس کی روح ڈالی گئی تھی۔ تب ہی تو آپ میں سے اہل بصیرت صحابہؓ کی بو محسوس کرتے تھے کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ "اس بچے میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے"۔

اس بچے میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے۔

اور حضرت امی جی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے بھی بچپن میں ہی فرمایا تھا کہ "الیاس میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے"۔ مثل مشہور ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" اسی طرح اللہ نے جو کام آپ کو عطا فرمایا اور آپ نے جب اس کو شروع کیا تو کسی بزرگ اور بڑے عالم اور فقیہہ نے جب کام کو دیکھا تو بے اختیار زبان سے یہ ہی نکلا کہ اس کام میں روحانیت ہے۔ اس کے ساتھ تائید غیبی ہے اور اس سے امت کو نفع ہو گا۔ اور اب جب کہ کام ملک اور غیر ممالک میں پہنچ چکا اور ہو رہا ہے اب تو سب کو یقین ہو گیا کہ اس کام سے بہتر امت کی اصلاح کے لئے کوئی کام نہیں

ہو سکتا۔ اگلے صفحوں میں اس کام کے بنیادی اصولوں کو پیش کر رہا ہوں۔ ان کو ملاحظہ فرماویں۔

تبلیغی محنت کے بنیادی اصول

جو بھی کام دنیا میں کیا جاتا ہے اس کے اصول و ضوابط بھی متعین کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ کام جماعتی ہے تو جماعت کے اہل فہم اور اہل الرائے مل کر بیٹھتے ہیں اور سوچ و فکر اور غور و تدبیر کے بعد اصول و ضوابط مرتب کرتے ہیں اور ان کو مشتہر کرتے ہیں۔ اگر فرد شروع کرتا ہے تو وہ اپنی فہم اور تدبر سے اصول و ضوابط متعین کرتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

یہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے اللہ رب العزت نے بھی اپنے دین کے اصول و ضوابط زمانے کے اعتبار سے ان حضرات پر منکشف فرمائے جن سے کام لینا چاہا۔ اس کی لمبی تاریخ ہے۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں۔ اسی ضابطہ اور قانون کے تحت اس زمانے کے اعتبار سے اللہ رب العزت نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر اصولوں کو منکشف فرمایا۔ جن

میں اہم اور ضروری مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) چھ نمبر۔

کلمہ۔ نماز۔ علم وذکر۔ اکرام مسلم۔ تصحیح نیت۔ اور تبلیغ

(۲) ☆ترک لایعنی۔

(۳) ☆ تفریغ اوقات یا نفر فی سبیل اللہ۔

(۴) ☆موقعہ شناسی مردم شناسی۔

(۵) ☆اختلافی مسائل سے اجتناب۔

(۶) ☆چندہ اور مال کے حصول کی شکلوں سے اجتناب۔

(۷) ☆جوش وہوش۔

(۸) ☆بے غرض ہو کر کرنا۔

(۹) ☆اپنے اوپر اپنا مال لگانا۔

(۱۰) ☆ہجرت ونصرت۔

(۱۱) ☆معروف کی دعوت دینا منکر کو نہ چھیڑنا۔

(۱۲) ☆امت کی بے دینی کا غم اور امت پر شفقت۔

(۱۳) ☆امیر کا انتخاب اور اطاعت امیر۔

(۱۴) ☆اجتماع کو باقی رکھنا افتراق سے بچنا۔

(۱۵) ☆دعا۔

حضرت مولانا نے تبلیغی محنت کو مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق جاری کرنے کی سعی فرمائی۔ اور اس کی تاکید فرماتے تھے کہ اس کام کو میری طرف بالکل منسوب نہ کیا جاوے بلکہ یہ کام پوری امت کا فریضہ ہے۔ میں تو صرف یاد دہانی کرارہا ہوں اور فرماتے تھے کہ اس کے اصول میں نے خود اپنے ارادے اور فہم سے نہیں بنائے بلکہ مجھے عطا فرمائے گئے ہیں اور مجھے حکم ہوا کہ ان کے مطابق کام کروں۔

آپ نے کام کی ابتداء صرف کلمہ نماز سے کی تھی کہ کلمہ سیکھو اور سکھاؤ۔ اور نماز پڑھو اور پڑھاؤ۔ اس کی طرف متوجہ فرما کر لوگوں کو نکالتے تے اور نکلنے والوں میں ایک امیر اور ایک معلم مقرر فرما کر کلمہ نماز کی دعوت دینے کی تاکید فرماتے رہے۔ جب کام شروع ہو گیا اور جماعت نکلنے لگی تو آپ نے علم و ذکر کو بڑھا دیا۔ اس کے تھوڑے دن بعد اکرام علماء کو بھی فرمانے لگے۔ بلکہ

اس پر بہت ہی زور دینے لگے کیونکہ اس زمانے میں علماء کی توہین اور سب و شتم بہت کی جا رہی تھی۔ آپ کو اس سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے اکرام علماء کو شروع کرایا۔ آپ کے آخری حج تک انہی چار نمبروں کے مطابق کام ہوتا رہا۔ جب آپ آخری حج کر کے واپس ہوئے تو آپ نے چھ نمبر اور مندرجہ بالا اصول کھول کھول کر بیان کرنے شروع کئے۔

اول۔ چھ نمبر:۔

۱۔ کلمہ ۲۔ نماز ۳۔ اکرام مسلم ۵۔ تصحیح نیت ۶۔ تبلیغ۔

یہ چھ باتیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ان کا عامل بن جائے تو پوری زندگی صحیح ہو جاوے۔ کلمہ سے روح بنے گی۔ نماز سے جسم بنے گا۔ علم و ذکر کی مثال دو بازوؤں کی ہے۔ جس طرح کہ پرندے کے دو بازو ہیں۔ گویا علم و ذکر سے ایمان و عمل والے بازو تیار ہوں گے اور اکرام کے نمبر کے ذریعہ پر یا لباس تیار ہو گا۔ تصحیح نیت سے قوت پرواز پیدا ہو گی اور تبلیغ پور (Power) یا اسٹیم یا غذا کا کام دے گی۔ بس آدمی میں جب روحانی قوت اور جسمانی طاقت مکمل

ہو گی اور اس کے اس طاقتور جسم میں پرواز کرنے والے بازو بھی
ہوں گے اور پروں والے لباس سے بھی آراستہ و پیراست ہو گا اور
قوت پرواز بھی ہو گی اور اس کی اسٹیم یا غذا بھی اس کو ملتی رہے گی۔
تو پھر اس آدمی کی پرواز کا مقابلہ نہ پرندے کر سکتے ہیں اور نہ ہوائی
جہاز اور راکٹ کر سکتے ہیں اور نہ آئندہ ایجاد ہونے والی تیز سے تیز
پرواز کرنے والی شکلیں کر سکیں گی۔ یہ آدمی عزت کی لائن میں بھی
سب سے بڑھ چڑھ کر رہے گا اور بلندی میں بھی سب سے اوپر ہو
گا۔ اور ترقی میں بھی سب سے آگے رہے گا اس لئے ان چھ نمبروں
والی زندگی بنانے میں ہر قسم اور ہر لائن کی کامیابی ایسی یقینی ہے
جیسا کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کی روشنی یقینی ہوتی
ہے تبلیغ میں اسی زندگی کے حاصل کرنے کی آواز لگائی جارہی
ہے۔ خدا کرے ہماری سمجھ میں یہ بات آجاوے اور ہم اس کی محنت
کے لئے آمادہ ہو جاویں۔ اگلے صفحات میں چھ نمبروں کو الگ الگ
بیان کیا جاتا ہے۔ ان کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وصلی اللہ علی النبی الامی الکریم والہ واصحبہ و

بارکؕ وسلم

چھ نمبروں کا پہلا رخ

اول نمبر............کلمہ طیبہ

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ)

کلمہ طیبہ کے فضائل :۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ
کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآء
تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا وَیَضْرِبُ اللّٰہُ
الاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْن

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی اچھی مثال بیان فرمائی ہے۔ کلمہ طیبہ کی کہ وہ مانند ایک عمدہ اور پاکیزہ درخت کے ہے۔ جس کی جڑ زمین کے

اندر تک گڑی ہوئی ہوں اور اس کی شاخیں آسمانوں میں پہنچی ہوئی ہوں اور وہ درخت اللہ کے حکم سے ہر موسم میں پھل دیتا ہے اللہ رب العزت مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ سمجھدار انسان حقیقت کو سمجھ جاویں۔ (سورہ ابراہیم ع ۴)

(فائدہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ شہادت اشہدان لا الہ الا اللہ مراد ہے۔ جس کی جڑ مومن کے قول میں ہے اور اس کی شاخیں آسمانوں میں۔ کیونکہ اس کی برکت سے اعمال انسانیہ آسمان تک جاتے ہیں۔ ہر وقت پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع میں لگا رہے۔

اس مثال میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ زمین کے اندر سے غذا حاصل کرتا ہے اور شاخوں اور پتوں کے ذریعہ آسمان اور زمین کے درمیانی خلاء سے بھی قوت و غذا حاصل کرتا ہے مثلاً دھوپ۔ چاندنی۔ ہوا

شبنم وغیرہ سے۔ اور ان تمام غذاؤں سے درخت میں پھل آتے ہیں۔ اور پھلوں میں سے خود ایک دانہ بھی استعمال نہیں کرتا بلکہ پورے کے پورے پھل اپنے مالک کے حوالہ کر دیتا ہے۔ جس سے وہ نفع اٹھاتا ہے۔ اسی طرح کلمہ طیبہ پڑھنے والے کا حال ہے کہ اس کلمہ کے ذریعہ اس کے دل میں نور ایمان پیدا ہوتا ہے اور کفر کی ظلمت ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد چھوٹا یا بڑا جو بھی نیک عمل وہ کرتا ہے اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے کہ بغیر اس کلمہ کے نہ عبادت قبول ہوتی ہے نہ صدقہ خیرات۔

عن معاذبن جبلؓ قال قال رسول اللہ ﷺ
مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةَ اَنْ لا اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ (ترغیب)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا جنت کی کنجیاں ہیں۔

(فائدہ) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جنت کی قیمت لا الہ الا اللہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر میں اور ایک

حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ والوں پر نہ قبروں میں وحشت ہو گی نہ میدان حشر میں۔ ایک حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے منبہات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اندھیرے پانچ ہیں اور پانچ ہی ان کے چراغ ہیں۔

(۱) گناہ اندھرا ہے جس کا چراغ توبہ ہے۔

(۲) قبر اندھیرا ہے جس کا چراغ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہے۔

(۳) آخرت اندھیرا ہے جس کا چراغ نیک عمل ہے۔

(۴) دنیا کی محبت اندھیرا ہے جس کا چراغ تقویٰ ہے۔

(۵) پل صرط اندھیرا ہے جس کا چراغ یقین ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو سونے کے وقت اور جاگنے کے وقت لا الہ الا اللہ کا اہتمام ہو اس کو دنیا بھی آخرت پر مستعد کرے گی اور مصیبت سے اس کی حفاظت ہو گی۔

غرضیکہ کلمہ کے فضائل قرآن واحادیث میں بکثرت
موجود ہیں لیکن ہر شے کا نفع اس کی حقیقت پر موقوف ہے اگر
مادی شکلوں کی حقیقت پیدا نہ کی جوے تو صرف الفاظ کے
بولنے سے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً تجارت تجارت
کے لفظ کی ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تسبیحات روزانہ اہتمام سے
پڑھی جاویں تو ایک پیسہ بھی حاصل نہ ہو گا اسی طرح زراعت
زراعت ساری عمر کہتے رہیں تو ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو گا۔ اسی
طرح سائنس جس کا آج بہت زور شور ہے اور جس کے ذریعہ
آسمانوں میں پہنچنے تک کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر اس کے
صرف الفاظ ساری دنیا بھی رٹتی رہے تو آسمان تو در کنار زمین پر
رینگنے والی سواری بھی ایجاد نہ ہو سکے گی۔ بس ایک شے کہ الفاظ
میں اور ایک حقیقت۔ جب تک حقیقت تک نہ پہنچا جاوے گا۔
صرف الفاظ نفع نہیں دے سکتے لیکن کلمہ طیبہ کا عجب حال ہے
کہ اس کے صرف الفاظ بھی نفع سے خالی نہیں کہ ہمیشہ جہنم میں
جلنے سے الفاظ بھی نجات دے دیں گے بشرطیکہ صدق دل سے

ہوں۔ لیکن حقیقت حقیقت ہی ہے۔

اگر کلمہ کی حقیقت حاصل ہو جائے تو کھلم کھلا۔ مادی شکلوں پر حاوی ہونے اور ان کو فیل کرنے اور ان سے بلند ہونے کے مناظر ظہور میں آنے لگیں۔ اس لئے حقیقت پر پہنچنے کی سعی ضروری ہے۔ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کے لئے چار درجات ہیں۔

پہلی محنت۔ اول کوشش یہ کی جاوے اس کے الفاظ صحیح کئے جاویں کہ زبر۔ زیر۔ پیش اور حروف وغیرہ میں کسی قسم کی غلطی باقی نہ رہے وہ یہ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

دوسری محنت...... یہ محنت کی جاوے کہ اس کے معنی یاد ہو جاویں کیونکہ بغیر معنی کے جانے کسی بات کو سمجھا نہیں جا سکتا اور جب سمجھتا ہی نہیں تو پھر کیا معلوم کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اور دل کیونکہ اسے قبول کر سکتا ہے اور اثر لے سکتا ہے۔ اور جب دل متاثر نہ ہوا تو بدن چونکہ دل کے تابع ہے اس لئے وہ عمل پر کیسے آمادہ ہو گا۔ اس لئے معنی کا یاد کرنا نہایت ضروری

ہے۔ معنی یہ ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی کوشش کی جاوے یہ نہ سمجھے کہ کلمہ کا حق ادا ہو گیا۔ اگر یہ سمجھ لیا تو آگے ترقی نہ ہو سکے گی، اس کے لئے تیسری محنت کی جاوے گی۔

تیسری محنت اور کوشش یہ ہے کہ کلمہ کے مطالبہ و سمجھا جاوے کہ آخر یہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اس درجہ کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ لاالہ الا اللہ کہے وہ جنت میں ضرور داخل ہو گا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص کی علامت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کلمہ اس کو حرام کاموں سے روک دے۔ بس کلمہ کا مطالبہ یہ ہی ہے کہ یہ طے کر لینا کہ ہر حال میں اور ہر کام میں اللہ کی مانوں گا۔ حضور ﷺ کے طریقے سے پھر اس سے آگے کی ترقی کے لئے چوتھی محنت کرنی پڑے گی ورنہ مکمل کامیابی اور ترقی حاصل نہ ہو سکے گی اور وہ یہ ہے۔

چوتھی محنت۔ یہ ہے کہ کلمہ والا یقین پیدا کیا جاوے

کیونکہ جب تک کسی شے کا یقین کامل نہیں ہوتا تو آدمی اس پر پوری طرح محنت کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ انسان کی فطرت ہے تجارت پر جان و مال وہ ہی لگائے گا جس کو تجارت والے نفع کا یقین ہو گا۔ زراعت پر جان و مال وہ ہی لگائے گا جس کو زراعت والے منافع کا یقین بھی ہو گا۔ سائنس پر اپنا دماغ اور اپنی جان اور اپنا مال وہ ہی صرف کرے گا جس کو اس کے منافع کا یقین کامل ہو گا۔ بس یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ اسی طرح کلمہ والی زندگی اور کلمہ والے تقاضے اور کلمہ کا مطالبہ وہ ہی پورا کر سکے گا جس کو کلمہ والا یقین حاصل ہو گا۔ اس لئے چوتھی محنت یہ کرنی ہو گی کہ دل میں کلمہ والا یقین پیدا ہو جاوے اور کلمہ کے یقین چار ہیں۔

(ا) اللہ کا غیر اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہر شے میں تین چیزیں ہیں۔ اول شکل۔ دوسرے صفت۔ تیسرے استعمال۔ مثلاً سورج کی ایک شکل ہے یعنی گول ٹکیہ دوسری اس کی صفت ہے روشنی تیسرے اس کا استعمال ہے کہ روشنی کو پھیلانا بس سورج کی ٹکیہ بھی اللہ نے بنائی اس میں روشنی کی

صفت بھی اللہ نے رکھی اور اس روشنی کو پھیلانا اور باقی رکھنا اور اس کے ذریعہ نفع یا نقصان پہنچانا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہی حال ہر شے کا ہے۔ بس کلمہ کا مطالبہ یہ ہے کہ دل میں یہ یقین پیدا کیا جاوے کہ نہ شکل خود بن سکتی ہے نہ اسکی صفت اس کی اپنی حاصل کی ہوئی ہے اور نہ وہ اپنی صفت کو خود استعمال ہی کر سکتی ہے۔ اللہ نے ہی شکل کو بنایا۔ اللہ نے ہی صفات تقسیم کیں اور اللہ ہی اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ جبرئیل سے لے کر چیونٹی تک جتنی شکلیں ہیں سب کا یہ ہی حال ہے۔ یہ یقین دل کی گہرائی میں بیٹھ جاوے۔ حقیقت میں لا الہ کا یہ ہی مقصد ہے۔

(ب) دوسرا یقین یہ پیدا کرنا کہ اللہ اپنے غیر کے بغیر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یعنی اللہ رب العزت کرنے میں اپنے غیر کے محتاج نہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو اس کے بغیر بنایا۔ زمین کو بغیر زمین کے۔ آسمان کو بغیر آسمان کے۔ سورج کو بغیر سورج کے۔ انسان کو بغیر انسان کے۔ غرضیکہ تمام مخلوق کو صرف اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان۔ چاہے وہ

بڑی ہو یا چھوٹی۔ وہ قدرت والے ہیں۔ جب چاہتے ہیں اور جیسی چاہتے ہیں شکل بنا سکتے ہیں وہ خود فرماتے ہیں۔

اِذَااَرَادَاللّٰہ شَیْئاً اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنْ ہ

یعنی اللہ رب العزت جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ ہو جا وہ ہو جاتی ہے اور فرماتے ہیں مٹ جا تو مٹ جاتی ہے۔

اور "الااللہ" کی حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ دل میں یہ یقین پختہ اور کامل ہو جائے جب یہ دو یقین کامل ہو گئے اول یہ کہ اللہ کا غیر اللہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ اپنے غیر کے بغیر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تو کلمہ کا ایک جز لاالہ الااللہ پورا ہو گیا۔ —

(ج) کلمہ کا دوسرا جزو "محمد الرسول اللہ" ہے۔ اس کے بھی دو یقین ہیں۔

اول یہ کہ حضور ﷺ والے زندگی گذارنے کے طریقے بغیر شکلوں کے کامیاب کر سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت

نے آپ کو پورے انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے۔ آپ نے عبادات۔ معاشرت۔ معیشت اور معاملات سب کے طریقے سکھائے۔ آپ نے سکھایا کہ اپنے خالق اور مالک کی یاد کس کس وقت اور کیسے کیسے کرنی چاہیئے۔ آپ نے یہ بھی سکھایا اپنے گھر والوں۔ رشتہ داروں۔ پڑوسیوں۔ مسافروں۔ اپنے اور بیگانوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیئے اور ان میں رہ کر کس طرح زندگی گذارنی چاہیئے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ کمائی کونسی حلال ہے۔ اور کون سی حرام ہے اور حلال کمائی کے طریقے کیا ہیں اور حلال طریقوں میں کیسی کیسی برکتیں ہیں اور حرام میں کیا کیا نقصانات ہیں۔ اور آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ آپس میں لین دینے کے کیا اصول ہیں۔ کس کو دنیا چاہیئے اور جس سے لینا ہے اس سے وصول کرنے کا اچھا طریقہ کیا ہے۔ حکومت کے طریقے محکومیت کے اصول سب کچھ آپؐ نے بتائے ہیں اگر انسانی زندگی حضور ﷺ کے طریقوں پر آجائے تو تمام فتنے اور مصیبتیں ختم ہو جائیں۔

طرف امن اور چین اور آپس میں الفت و محبت اور مودت پیدا ہو جائے۔ دنیا بھی بن جائے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی بھی بن جائے اور ہر طرف سے کامیابی قدم چومنے لگے۔

دوسرا یقین یہ ہے کہ شکلیں حضورؐ کے طریقوں کے بغیر کامیاب نہیں کر سکتیں۔ زراعت شکل اعلیٰ سے اعلیٰ اگر کسی کے پاس ہو۔ لیکن اس میں طریقہ محمدی نہ ہو تو یہ شکل بھی ہر وقت میں خطرہ میں ہے۔ اور شکل والا بھی خطرہ میں ہے۔ اسی طرح تجارت، ملازمت، کارخانے،، حکومت سب کا یہ ہی حال ہے کہ اگر ان میں حضور والے طریقے پیدا نہ کئے گئے تو شکلیں اور شکلوں کے مالک سب خطرہ میں ہیں۔ پتہ نہیں کس پر کس وقت کیا وبال آجاوے اور کونسی شکل کس وقت فیل ہو جاوے اور شکلوں والے پتہ نہیں کس وقت ناکام اور برباد ہو جاویں۔ پھر دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔

(کلمہ کے یہ کل چار یقین ہو گئے۔ یعنی اللہ کا غیر اللہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ ۲۔ اللہ اپنے غیر کے بغیر سب کچھ کر

سکتے ہیں ۳۔ حضور ﷺ کے طریقے بغیر شکلوں کے کامیاب کر سکتے ہیں۔ ۴۔ شکلیں حضور ﷺ کے طریقوں کے بغیر کامیاب نہیں کر سکتیں۔

بس جب تک کلمہ کا یہ یقین پیدا نہ ہو جاوے اپنے کلمہ کو نامکمل سمجھا جاوے اور ہر وقت اسکی منتہا تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی جاوے اور اللہ رب العزت کا کرم یہ ہے کہ اگر انسان منتہی تک پہنچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو اپنے لطف و کرم سے اس کو یقین کی دولت عطا فرما دیتے ہیں۔ اور اگر ان کی حکمت و مصلحت کا تقاضہ کسی بندے کے بارے میں یہ ہو کہ فلاں بندے کو اس کی کوشش کا ثواب بھی دیا جائے اور یقین بھی۔ آخر میں موت کے وقت مکمل کیا جاوے تو موت پر اسے یقین کامل کی دولت عطا فرما کر دنیا سے اٹھاتے ہیں کہ موت تک کی کوشش کا اجر و ثواب بھی مل گیا جو کہ بے انتہا ہے اور آخرت میں یقین والوں کی فہرست میں شمار کیا جاوے گا۔ ”ہم خرما و ہم ثواب“

دوسرا نمبر .... نماز

اول یہ کہ حضور ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو ایمان کے ساتھ نماز بھی مل گئی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لا اِلٰہَ اِلا اَنَا فَاعْبُدُوْنِی وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی

ترجمہ: میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میرے عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو

دوسرے یہ کہ ان کو نماز کا حکم زمین پر ہی ملا تھا۔ لیکن آقائے نامدار سرور کائنات امام الانبیا خاتم النبین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کو نماز کا حکم دس یا تیرہ سال بعد ملا۔ روایات میں دونوں ہیں۔ دوسرے حضور ﷺ کو عرش پر بلا کر نماز دی گئی۔ جس کی تفصیل معراج کے سلسلہ میں کتابوں موجود ہے اسی میں تذکرہ ہے کہ حضور ﷺ ایسے مقام پر بلائے گئے کہ

جبرئیل علیہ السلام نے بھی یہ عرض کیا کہ اگر میں یہاں سے ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں تو اللہ کے جلال سے جل کر خاکستر ہو جاؤں۔

نماز مومن کی معراج ہے

وہاں اللہ نے کیا دیا اس کے بارے میں صرف اسقدر ارشاد باری ہے۔ فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَااَوْحیٰ ترجمہ: ہم نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی۔ یعنی ہم نے جو چاہاوہ اپنے بندے محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔ دوسرا کوئی کیا جانے لیکن حضور ﷺ نے امت کو آکر یہ خبر دی کہ مجھے معراج میں نماز عطا فرمائی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَااَوْحیٰ کی جامع شکل کا نام نماز ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ الصلوٰۃ معراج المومن ترجمہ: نماز مومن کی معراج ہے۔

ہر دو قول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس امت سے اللہ رب العزت کو نبوت والا کام لینا تھا اور وحی کا

سلسلہ بند کرنا تھا۔ اس لئے اس امت کو نماز کی صورت میں ایک ایسا عمل عطا فرمادیا کہ جس کے ذریعہ ہر امتی اللہ رب العزت سے براہ راست لینے والا بن سکے۔ اسی کے پیش نظر اس امت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کردی گئیں ذرا غور فرمائیے۔ اللہ رب العزت نے اس امت کا کس قدر اکرام فرمایا۔ اور کتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ براہ راست اللہ رب العزت سے تعلق پیدا کرنے والا عمل اس کو دے دیا گیا اور وحی کے علم کی جس قدر ضرورت تھی وہ قرآن وحدیث کے ذریعہ عطا فرمادیا۔ اور اس علم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس علم کے علاوہ جس علم کی ضرورت پڑے اسے احسان والی نماز بنا کر براہ راست اللہ سے لیتے رہنے کا عمل عطا فرمادیا۔

یہ سب اہتمام اس لیے کیا گیا کہ اس امت سے اللہ رب العزت کو کار نبوت لینا مقصود تھا۔ جس کا اعلان قرآن پاک میں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَاوَمَنِ التَّبَعَنِىْ

ترجمہ : اعلان کرو (اے محمد ﷺ) کہ میرا مقصد حیات یہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دوں۔ میرا کام بھی یہ ہے اور اتباع کرنے والے ہر شخص کا کام بھی یہ ہی ہو گا۔

اور

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ : تم بہترین امت ہو تم کو اللہ رب العزت نے لوگوں کے نفع کی خاطر چن لیا ہے (اور اصل نفع) یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے روکو۔

کے ذریعہ کیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے اس امت سے صرف کلمہ کی دعوت پر دس سال لگوائے گئے۔ کیونکہ اس امت کا

اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اس امت کی نماز میں مندرجہ ذیل امور مضمر ہیں۔

اول یہ کہ اس امت کو جو نماز ملی وہ عرشی ہے۔ دوسری امتوں کی نماز فرشی ہے۔ دوسرے حضورؐ والی نماز میں ختم نبوت کے کام کو انجام دینے کی ترتیب کا نقشہ قائم کیا گیا ہے۔

تیسرے۔ اس نماز میں براہ راست اللہ سے لیتے رہنے کا انتظام رکھا گیا ہے چوتھے۔ کلمہ والے یقین کی تازگی اور جسم کو اللہ کے حکم پر حضور ﷺ والے طریقوں کے مطابق استعمال کرنے کی مشق اس میں کرائی گئی ہے۔

۱۔ اول کا جواب ظاہر ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام کو نماز کا حکم بذریعہ وحی زمین پر ہی دیا گیا۔ اور حضور ﷺ کو معراج میں بلا کر نماز دی گئی۔

۲۔ دوسرے حضور ﷺ کی نماز میں ختم نبوت والے کام کو انجام دینے کی ترتیب کا نقشہ قائم کیا گیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نماز میں پہلا۔

ا۔ حکم یہ ہے کہ وقت شروع ہونے پر اذان دی جائے۔ اور اِذان دعوت ایمان عمل کا مجموعہ ہے۔ بس اذان کے حکم کے ذریعہ امت کو یہ بات سمجھائی کہ امت محمدیہ کا سب سے مقدم کام دعوت ایمان و عمل ہے۔

ب۔ مؤذن کی آواز کو سن کر نماز کی طرف چل دینے کو واجب قرار دے کر امت کو یہ سمجھایا کہ امت کے ذمہ داعی کی دعوتِ کو قبول کرنا واجب ہے۔

ج۔ جماعت کی نماز کے لئے امام کے تعین کرنے کو واجب قرار دے کر یہ بات بتلائی کہ امت میں امارت کا شعبہ ضروری ہے جس طرح بغیر امام کے نمازِ کی اجتماعیت قائم نہیں ہوتی اسی طرح بغیر امیر کی امت میں اجتماعیت باقی نہ رہ سکے گی۔

د۔ امام کے پیچھے صف بندی کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ امت میں امیر سے جوڑ اور آپس کا جوڑ ضروری ہے اور جوڑ کے لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْص ترجمہ :مانند پگھلے ہوئے سیسہ کی دیوار کے جڑ جانا۔ اور

حضور ﷺ نے فرمایا: کجسد واحد مانند ایک جسم کے جوڑ پیدا ہو جائے۔ اب امت محمدیہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر غور فرمائے کہ آپس کے جوڑ کے لیے کیسی کیسی مثالیں دے کر امت کو متوجہ فرما رہے ہیں چنانچہ پھلے ہوئے سیسہ کی دیوار سے زیادہ مضبوط جوڑ کی کوئی شکل نہیں ہو سکتی۔ اور اختلافات کے باوجود آپس کا جوڑ جسم سے بہتر کسی کا جوڑ نہیں ہو سکتا۔ ذرا غور فرمائیے جسم کے اعصائے رئیسہ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیر دل اور دماغ ہیں۔ پہلے ان کے اختلافات کو دیکھیں۔ اول اختلاف جائے وقوع کا ہے۔ دوسرا شکلوں کا ہے۔ تیسرے کاموں کا ہے اور یہ اتنے شدید اختلافات ہیں کہ کسی صورت سے مٹ نہیں سکتے۔ اگر کوئی مٹانے کی سعی کرے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور آدمی ختم ہو جائے۔

ا۔ جائے وقوع کا اختلاف ۔ آنکھ کہیں کان کہیں۔ زبان کہیں اور ہاتھ کہیں۔ پاؤں کہیں دل کہیں اور دماغ کہیں۔ یہ ایسا اختلاف ہے کہ مٹائے سے بھی نہیں مٹ سکتا۔ دوسری شکلوں

کا اختلاف آنکھ کی شکل اور کان کی شکل اور زبان کی شکل اور یہ بھی ایسا اختلاف ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹ سکتا تیسرا اختلاف کاموں کا ہے۔ زبان کا کام بولنا اور سارے اعضاء کا کام نہ بولنا۔ کان کا کام سننا اور سارے اعضا کا کام نہ سننا۔ آنکھ کا کام نہ پکڑنا۔ پاؤں کا کام چلنا سارے اعضا کا کام نہ چلنا۔ دماغ کا کام سوچنا سارے اعضا کا کام نہ سوچنا۔ دل کا کام حکم کرنا اور سارے اعضا کا کام حکم نہ کرنا۔ سوچو کتنا سخت اختلاف ہے۔ ہر ایک کا کام دوسرے کی ضد ہے۔ لیکن اس کے باوجود اب جوڑ کو ملاحظہ فرماویں۔ کہ اگر ایک کے تکلیف ہو جائے تو سارے اس سے بے چین ہو جائیں اور سب کے سب اس کی خدمت میں لگ جاویں اور اس کی مدد پر آمادہ ہو جاویں اور جب تک وہ تکلیف دور نہ ہو جائے کسی دوسری جانب توجہ کرنے تک کو تیار نہ ہوں مثلا چلتے چلتے پیر میں چوٹ ل گئی اور شدید زخمی ہو گیا۔ اب دیکھئے کہ چوٹ لگ گئی اور شدید زخمی ہو گیا۔ اب دیکھئے کہ چوٹ ایک پیر میں ائی تھی اور دوسرے پیر نے چلنا چھوڑ دیا۔ پورا بدن بیاب ہو

کر بیٹھ گیا ہاتھ نے زخمی پیر کو پکڑ لیا۔ آنکھ نے زخم کو دیکھنا شروع کر دیا زبان بولی کہ زخم گہرا ہے۔ کان نے سنا اور دماغ کو خبر کی۔ دماغ نے فوراً دل کو آگاہ کیا۔ دل چونکہ پورے جسم کا بادشاہ ہے اور بادشاہ میں جرأت ہمت کا ہونا ضروری ہے۔ اور بادشاہ کا کام ہے کہ اپنی رعایا۔ (پبلک) کو مسئلہ کے حل کا حکم کرے۔ چنانچہ دل کو جب علم ہوا کہ پیر میں زخم آیا تو فوراً حکم صادر کیا کہ ہسپتال چلو اس حکم کو دماغ نے کان تک پہنچایا کانوں نے زبان کو آگاہ کیا اور زبان نے دوسرے اعصا کو خبر دی بس حکم ملتے ہی۔ زخمی پاؤں نے بھی لنگڑا لنگڑا کر چلنا شروع کر دیا دوسرے پاؤں نے آگے قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔ آنکھ نے آگے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور دوسرے اعضا بھی اس سلسلہ کے امور کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہسپتال پہنچے زبان نے فوراً ڈاکٹر کو اطلاع دی۔ ہاتھ نے پکڑ کر دکھایا۔ ڈاکٹر نے علاج اور مرہم پٹی شروع کی اور آنکھ دیکھتی رہی۔ دل و دماغ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے جب مرہم پٹی مکمل ہو چکی تو زبان نے

کانوں کو اور کانوں نے دماغ کو اور دماغ نے دل کو اطلاع دی کہ علاج مکمل ہو گیا۔ اب سب اعضاء کو سکون اور اطمینان ہوا جوڑ کے بارے میں اس سے بہتر مثال کوئی نہیں ہو سکتی۔

بس اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ اس امت سے اس طرح جڑ جانے کا ہے کہ امیر سے بھی جوڑ ہو اور مامورین میں سبھی آپس میں جوڑ ہو۔ اس کے لئے امیر پر ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے مامورین پر شفقت کا اور مہربانی کا برتاؤ رکھے اور ان میں سے ضصفاء کے حال کے مناسب معاملہ کرتا رہے۔

ہ۔ نماز میں امام کی اتباع کو واجب قرار دے کر یہ بتلایا کہ ہر حال میں امیر کی اطاعت کی جاوے جس کو اللہ پاک نے اَطِیْعُوْاللّٰہَ وَاَطِیْعُوْالرَّسُوْلَ وَاُولِی الاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے امیر کی۔ کے ذریعہ واضح فرمایا۔

و۔ نماز میں سلام پھیرنے تک امام کی اتباع کرتے رہنے کے ذریعہ یہ بات واضح کر دی کہ امیر کی اطاعت آخر تک کرنی ہے خصوصاً جس کام میں لا دیا اس کے پورا ہونے تک درمیان

میں رخصت لینے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ کل چھ باتیں ہوئیں جن کو نماز میں قائم فرما کر امت کو یہ بات بتلادی کہ تمہاری زندگی کی یہ ترتیب ہونی چاہیئے اگر امت اس ترتیب اور اس نقشہ پر قائم رہے گی تو بڑی سے بڑی طاقت بھی نہ اس کو نقصان پہنچا سکے گی اور نہ اس کا مقابلہ کر سکے گی (۳) نماز میں براہ راست اللہ سے لیتے رہنے کا انتظام موجود ہے لیکن ضروزت اس کی ہی کہ نماز پر محنت کر کے نماز کو احسان کے درجہ تک پہنچا دیا جاوے تاکہ شان معراجی تک نمازی پہنچ جائے اور پھر فاوحی الیٰ عبدہ ماا وحی کا معاملہ اللہ رب العزت اس سے فرمانے لگیں (۴) چوتھی چیز نماز میں یہ ہے کہ کلمہ والا یقین تازہ ہوتا رہے جس کی اللہ اکبر یعنی تکبیر تحریمہ کے ذریعہ یاددہانی کرائی جاتی ہے یعنی مختصر لفظ استعمال کرا کر سارے کلمہ کا یقین اس میں مطلوب ہے وہ یہ کہ اللہ اکبر کے کہنے کے ساتھ یہ یقین بن جائے سب چھوٹے اللہ بڑے ہیں یعنی سب کی چھوٹائی اور اللہ کی بڑائی کا یقین پیدا کیا جاوے دوسری محنت یہ ہے کہ سر

سے لیکر پیروں تک۔ انگلیاں تک ہر حال میں اللہ کے حکم پر حضورؐ کے طریقہ پر استعمال کرنے کی مشق کی جاوے چنانچہ نماز میں ایک بدن کے ایک ایک جز کے استعمال کے کئی کئی شکلوں سے احکامات دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آنکھ کو ہی لے لیجئے۔ قیام میں سجدہ کی جگہ رکوع میں پنجوں پر سجدہ میں ناک پر جلسہ میں ہاتھوں پر یا گود میں اسی طرح تمام بدن کے بارے میں تشریح ہے یہاں تک کہ حروف کے مخارج کے ذریعہ زبان، ہونٹ مسوڑے، دانت اور حلقوم کی ابتداء کے درمیان اور آخری حصہ تک مشق کرائی گئی بس جسقدر ان تمام امور کی رعایت کیساتھ نماز ادا کی جاوے گی۔ اسی قدر نماز احسان کے درجہ تک پہنچتی رہے گی یہ ہے وہ نماز جو اس امت کو دی گئی ہے لیکن امت نے نماز کو اس طرح سوچا ہی نہیں کہ نماز کیا ہے اور اس میں اللہ نے کیا دیا ہے اور اس سے کیا کیا مل سکتا ہے سوچ سے چیز کھلتی ہے آج کے مادی انسانوں نے اپنی سوچ کو مادی شکلوں پر استعمال کر کے ان کو آسمان پر اڑا کر دکھا دیا۔

جتنی نئی نئی ایجادات ہیں وہ انسانی سوچ کا ہی کرشمہ ہے اور یہ امت مسلمہ کو چیلنج ہے کہ اے اللہ کے ماننے والوں اور اے رحمۃ للعالمین کے عقید تمند د ہم نے اپنی سوچ کو مادے پر استعمال کر کے ان سے نفع اور کامیابی لے کر دکھادی حالانکہ مادہ سراسر بے جان چیز ہے اور اے امت محمدیہ تمہارے پاس اللہ اور اس کے رسول کے اوامر اور نماز جیسی بلند اور جاندار طریقہ ہیں۔ تم نے ان سے کیا حاصل کیا۔ اور کیا کامیابی لے کر دکھائی۔ آؤ مقابلہ پر۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مادے والوں کو چیلنج دے کر ان کی شکلوں کو فیل کر کے اور حضور والے طریقوں پر اپنی زندگی بنا کر ان سے کامیابی حاصل کر کے دنیاوالوں کو شکست دے کر دکھائی تھی۔ لیکن امت ان سارے طریقوں کو محفوظ رکھتے ہوئے مادے والوں کے سامنے شکست خوردہ ہے اس کی وجہ صرف حضور والے طریقوں سے رُوگردانی ہے۔

تبلیغ کے دوسرے نمبر یعنی نماز میں اسی کی دعوت ہے

کہ نماز پر محنت کر کے ترتیب زندگی اور بدن کے استعمال کو صحیح کرنے کی مشق کی جاوے۔

کلمہ طیبہ کے ذریعہ بندے نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ ہر حال میں ہر کام میں اور ہر آن آپ کے حکموں کی پابندی کروں گا اور آپ کے رسول کی پوری پوری تابعداری کروں گا۔ اللہ کے احکامات بے شمار ہیں۔ لیکن سارے حکموں میں سب سے بڑا حکم نماز کا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں نماز کے بارے میں سات سو جگہ سے بھی زیادہ مقام پر نماز کا ذکر آیا ہے اور حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے حضور ﷺ نے نماز کی تائید فرمائی ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ نماز ہر بالغ مرد اور عورت پر دن میں پانچ وقت فرض کی گئی ہے۔ اور حکم دیا گیا ہے کہ بچے کو ساتھ سال کی عمر میں نماز کی تاکید کرو اور دس سال کی عمر جب ہو جاوے تو نماز میں سستی یا غفلت برتنے پر اس کو مارو۔

نماز کیا ہے؟

نماز اس صفت کا نام ہے جو صفت اللہ رب العزت کو

ساری صفات سے زیادہ پیاری اور محبوب ہے اور کلمہ طیبہ میں
اسی صفت والا بننے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی لئے کلمہ کو عہد نامہ یا
اقرار نامہ قرار دیا کیونکہ یہ اقرار یا عہد دل سے تعلق رکھتا ہے
اس لئے اندرون قلب کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے کسی
ایسے عمل کی ضرورت ہے جس کو دیکھ کر ہر کس نا کس پہچان
سکے کہ یہ انسان ہم سے جداگانہ صفات سے متصف اور متحمل
ہے اور وہ صفت یہ ہے کہ آدمی کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں
یعنی جسم کا ایک ایک عضو ہر حال میں اللہ کی منشاء اور
حضور ﷺ والی شکل پر استعمال ہونے لگے۔ چاہے وہ عبادت
ہو یا معاشرت، کھڑا ہو یا بیٹھا، جھکا ہوا ہو یا لیٹا ہوا۔ جاگتا ہو یا
سوتا۔ اپنوں میں ہو یا بیگانوں میں۔ گھر پر ہو یا سفر میں، پیدل ہو یا
سواری میں، تنگی میں ہو یا فراخی میں۔ حاکم ہو یا محکومیت میں۔
آقا ہو یا غلامی میں۔ کوئی حالت اسے اللہ کے حکم اور رسول کی
تابعداری سے نہ روک سکے۔ ان جملہ صفات کا جامع نام نماز
ہے۔ اس لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نماز پوری زندگی کے

سارے اوقات اور ہر حال اور ہر عمل میں جاری اور پھیلی ہوئی ہے اور اس کی جامع صفت کو اللہ رب العزت نے نماز کے حکم میں جمع کر دیا ہے اور دن رات میں پانچ وقت اس کی ادائیگی فرض قرار دے دی ہے تاکہ ایک طرف صفت نماز والی زندگی کی مشق ہوتی رہے۔ دوسری طرف شان اسلام کا ظہور ہو کر غیر مسلموں کی کشش کا ذریعہ بنتی رہے۔ حقیقت میں اللہ کی طرف سے ہر مسلم سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ چوبیس گھنٹہ نمازوالی صفت پر قایم رہے۔ صرف یہ نہیں کہ مسجد میں نمازی اور باہر بے نمازی۔ نیت باندھی تو نمازی اور سلام پھیر دیا تو بے نمازی۔ بس تبلیغ میں نماز کے نمبر کا مقصد یہ ہی ہے کہ ہر مسلم کو اس قدر محنت کرنی ہے کہ وہ پورا پورا نمازی بن جائے اور کوئی حال اسے نماز والی صفت سے نہ ہٹا سکے۔ اور کوئی طاقت اس کی نماز والی صفت کو نہ توڑ سکے۔ اور یہ محنت سے ہی ہو گا۔ محنت کا طریقہ آخر میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

نماز کی اہمیت و فضیلت :۔

ارشادباری ہے :۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَا لْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُاللّٰہِ اَکْبَر

بیشک نماز منکرات اور فواحش سے روکتی ہے اور اللہ کا سب سے بڑا ذکر ہے۔

فائدہ :۔ ہر چیز اس کی صفت سے پہچانی جاتی ہے۔ مثلاً شکر کو مٹھاس سے نمک کو کھاراپن سے، لیموں، اور املی کو ترشی سے وغیرہ وغیرہ بس نماز کی پہچان یہ ہے کہ نمازی آدمی برے کاموں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتا ہو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَأمُرْاَھْلَكَ بِالصَّلٰوۃِ (الآیہ) - الاخر

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے بلکہ روزی تو ہم خود ہی دیں گے۔)

فائدہ :۔ اس آیت شریفہ میں کس قدر تاکید ہے کہ سردارِ دوجہاں ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید فرماتے رہیں اور خود بھی اس کا اہتمام رکھیں۔ جب بنی نوع انسان کے سردار کو یہ تاکید ہے تو پھر دوسرا کون ہے کہ جو اس سے اپنے کو بری سمجھ سکے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے گھر والوں کا فکر رکھنے کی بھی تاکید فرمادی۔ تیسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (الآیہ)

صبر اور نماز کے ساتھ اللہ سے مدد حاصل کرو۔ نماز صرف ان لوگوں پر بھاری ہے جو اللہ سے نہیں ڈرتے۔

فائدہ :۔ یعنی کوئی مسئلہ بھی اٹک جائے۔ چاہے وہ دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے۔ اس کا تعلق انسانوں سے ہو یا خداوند کریم سے۔ اس کا حل یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرو اور غیر سے اپنے یقین کو ہٹالو اور کسی کی خوشامد اور چاپلوسی نہ کرو۔ بلکہ اپنے حال کا تذکرہ تک بھی غیر اللہ کے سامنے نہ ہونے پاوے۔ بس تنہائی میں جا کر دو رکعت پڑھ کر اللہ سے دعا مانگو۔ یہ

ہی اصل علاج اور مسئلہ کا حل ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے اپنے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ سب سے اول لا الہ الااللہ محمد الرسول اللہ کی گواہی دینا یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسرے نماز کو قائم کرنا تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھے حج کرنا پانچویں رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

فائدہ :۔ اللہ کے رسول نے اسلام کی تشبیہہ ایک خیمہ کے ساتھ دی ہے۔ جس کا دروازہ کلمہ ہے اور اس کے درمیان کا ستون نماز ہے کہ جس کے بغیر خیمہ کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے کہ پانچویں نمازیں درمیانی اوقات کے لئے کفارہ ہیں یعنی ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ نماز کی برکت سے

معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخی جو کہ مشہور صوفی اور بڑے اونچے بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں اور ان کو پانچ جگہ پایا۔ روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی۔ قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی۔ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب طلب کیا تو اس کو قرأت میں پایا اور پل صراط کا سہولت سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں پایا اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔

نماز کے چھوڑنے پر وعید اور عتاب :۔

حدیث کی کتابوں میں نماز چھوڑنے پر بہت ہی سخت عذاب ذکر کئے ہیں یہاں نمونہ کے طور پر کچھ ذکر کیا جاتا ہے کیوں کہ سمجھدار کے لئے سچے اور محسن آقا کا ایک ارشاد بھی کافی ہے اور بے غیرت اور بے سمجھ کے لئے دفتر بھی بھر دئے جاویں تو بے سود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان و کفر کے درمیان

نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے سات نصیحتیں کیں جن میں چار یہ ہیں۔

(۱) اول یہ کہ اللہ کا شریک کسی کو مت بناؤ چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جاویں یا تم جلا دئے جاؤ یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جاوے۔

(۲) دوسرے جان کر نماز نہ چھوڑنا جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ دین سے نکل جاتا ہے۔

(۳) تیسرے اللہ کی نافرمانی نہ کرنا کہ اس سے حق تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔

(۴) چوتھے شراب نہ پینا کہ ساری خطاؤں کی جڑ ہے۔

نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے فضائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ نماز جو جماعت سے پڑھی جاوے اس نماز سے جو گھر

یں یا بازار میں اکیلے پڑھ لی ہو پچیس درجہ المضاعف ہوتی ہے۔

فائدہ: پہلی حدیث میں ستائیس درجہ کی زیادتی بتلائی گئی تھی اور دوسری میں پچیس درجہ المضاعف بتلایا گیا۔ شراح نے اس میں عجیب بات لکھی ہے کہ اس حدیث کا ثواب پہلی حدیث سے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس میں پچیس درجہ المضاعف فرمایا ہے۔ اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس درجہ ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

وضو اور مسواک کے فضائل

نماز کے لئے وضو شرط ہے کہ بے وضو کے نماز ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وضو کا اہتمام بھی ضروری ہے اور جب وضو کرنا ہی ہے تو اس کے آداب اور سنن اور مستحبات کو بھی ادا کرنا

ضروری ہے۔ جس میں وضو کی دعاؤں کا اہتمام اور مسواک کا احتمام بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جاوے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک کے بغیر پڑھی جاوے ستر درجہ افضل ہے۔ اس میں دس فائدے ہیں۔ (۱) منہ کو صاف کرتی ہے (۲)۔ اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (۳) شیطان کو غصہ دلاتی ہے (۴) مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اور فرشتے مضبوب رکھتے ہیں (۵) مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے (۶)۔ بلغم کو قطع کرتی ہے (۷) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے (۸) صفرا کو دور کرتی ہے (۹) نگاہ کو تیز کرتی ہے منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سنت ہے۔ علماء نے مسواک کے ستر فائدے لکھے ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ شہادت کا پڑھنا نصیب ہوتا ہے اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستر نقصان ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔

نماز کی ابتداء اور انتہا

ہر چیز اور ہر کام کی باتداء ہوتی ہے اور ایک انتہا۔ جب ابتدا سے محنت شروع کر کے انتہا تک جاری رکھی جاتی ہے۔ تب اس کا نفع مرتب ہوتا ہے اس پر تمام انسان اس پر متفق ہیں۔ چاہے وہ کاشتکار ہوں یا تاجر۔ چاہے دستکار ہو یا ملازم۔ مثلاً زراعت کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا۔ درمیان کی ساری منزلوں سے گذر کر انتہا تک پہنچا جاتا ہے پھر اس کا نفع حاصل ہوتا ہے۔ اول زمین کو بنانا چاہے ہل چلا کر یا ٹر کٹر اور کھاد ڈال کر۔ دوسرے وقت پر بیج ڈالنا۔ تیسرے اس کی حفاظت کرنا اور پانی وغیرہ لگاتے رہنا۔ چوتھے اسے کاٹنا سمیٹنا اور صاف کرنا پھر غلہ ملے گا اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہو گئی تو غلہ سے محروم ہونا پڑے گا۔ یہ کہ اگر زمین کو محنت کر کے بیج ڈالنے کے قابل نہ بنایا تو زمین بیج ہی نہ کھائے گی۔ اگر بنا تو لیا لیکن بیج نہ ڈالا یا بیج تو ڈالا لیکن بے موسم کے ڈال دیا تب بھی محنت بھی اکارت جائیگی اور بیج بھی بے کار ہو جاوے گا۔ کہ وقت ہے گیہوں کا اور ڈال دی مکئی تو

نہ گیہوں ہوگا نہ مکئی۔ محنت بھی کی بیج بھی وقت پر اور موسم کا لحاظ کر کے ڈالا۔ لیکن نہ پانی دیا نہ حفاظت کی تب بھی پہلی محنتیں اور بیج اور فصل اجڑ جاوے گی اور کچھ بھی پلے نہ پڑے گا۔ کسی نے یہ تینوں محنتیں کر لیں لیکن وقت پر کاٹا نہیں اور وقت پر اسے صاف نہ کیا تب بھی غلہ ہاتھ نہ آوے گا۔ بس یہ ہی حال ہے ہر چیز کا کہ ہر ایک اول سے آخر تک محنت چاہتی ہے اور مکمل محنت کرنے پر اس کا نفع ملتا ہے۔ اسی طرح نماز کا ایک ابتدائی درجہ ہے اور ایک انتہائی درجہ۔ جب اول سے آخر تک محنت کرتے چلے جاویں گے جب نماز کے منافع مرتب ہونے شروع ہو گے اور اس قدر نفع ہو گا کہ کوئی شکل اور کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

نماز کا اول درجہ۔

یہ ہے کہ ہر کلمہ گو وقت اور تعداد رکعت کے اعتبار سے نماز کی پابندی کرے۔ چاہے اسے کچھ بھی نہ آتا ہو یہاں تک کہ چاہے کسی کی نقل کر کے نماز ادا کرنی پڑے۔ ایسا کرنے سے وہ نماز کے چھوڑنے کے عذاب سے بچ جاوے گا۔

دوسرا درجہ۔

یہ کہ نماز کو نماز کے علم کے ساتھ ادا کرنا۔ یعنی یہ کہ وضو اور غسل سے لے کر سلام پھیرنے تک جتنے مسائل ہیں ان کو سیکھا جائے اور یاد کیا جاوے اور ان کی رعایت کے ساتھ نماز ادا کی جاوے۔ دوسرے نماز میں قرآت سے لے کر آخری دعا تک جو کچھ پڑھا جاتا ہے اسے یاد کرنے کی کوشش کرتا رہے یہاں تک کہ سب کچھ پختہ یاد ہو جاوے۔

تیسرا درجہ۔

یہ کہ نماز میں حضور قلبی پیدا کی جاوے۔ اس کی محنت کرنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا "لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ" کہ حضور قلب کے بغیر نماز ہی نہیں یعنی نماز میں کمال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ یہ کہ اللہ کو حاضر ناضر یقین کر کے نماز کو ادا کرنا۔

چوتھا درجہ۔

یہ کہ نماز میں احسان پیدا کرنا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد ﷺ احسان کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔ احسان اسے کہتے ہیں کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جاوے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ دھیان کرنا کہ اللہ مجھے دیکھ رہے۔

نماز کا یہ آخری درجہ ہے جب تک نماز اس مقام تک نہ پہنچے ہر نمازی اپنی نماز کو ناقص سمجھتا رہے اور کمال تک پہنچنے کی سعی کرتا رہے۔ اور ہمت نہ ہارے۔ شیطان یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اس درجہ تک پہنچنا محال ہے اس لئے کوشش کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ اس کی بہت بڑی چال ہے۔ اس کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ میں بندے کے گمان کے موافق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت چلتا ہے تو

میں ایک ہاتھ اس کی طرف چلتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ایک باہ بڑھتا ہوں اور اگر وہ چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔ اب غور فرمائیں کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں کہ ذرا بھی کوئی محنت کرتا ہے تو اسے اپنی رحمت کے دامن میں لینے کو تیار ہیں۔ سچ ہے۔

رحمت حق بہانہ می جوید رحمت حق بہا نمی جوید

تیسرا نمبر .... علم وذکر

اس نمبر میں دو چیزیں ہیں۔ ایک علم دوسرے ذکر۔ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ "ان کی مثال پرندے کے دو بازؤں کی سی ہے کہ پرندہ بغیر دو بازؤں کے نہیں اڑ سکتا۔ اسی طرح مسلم کا حال ہے کہ کلمہ کے ذریعہ اس کی روحانی طاقت بڑھتی ہے اور نماز کے ذریعہ جسم روح کے تقاضوں کے مطابق بنتا ہے۔ جب روح اور جسم بن گیا تو اس میں قوت پرواز کے لئے دو بازؤں کی ضرورت ہے۔ وہ علم

میں ایک ہاتھ اس کی طرف چلتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں ایک باہ بڑھتا ہوں اور اگر وہ چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔ اب غور فرمائیں کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں کہ ذرا بھی کوئی محنت کرتا ہے تو اسے اپنی رحمت کے دامن میں لینے کو تیار ہیں۔ سچ ہے۔

رحمت حق بہانہ می جوید   رحمت حق بہا نمی جوید

تیسرا نمبر.................. علم و ذکر

اس نمبر میں دو چیزیں ہیں۔ ایک علم دوسرے ذکر۔

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ "ان کی مثال پرندے کے دو بازوؤں کی سی ہے کہ پرندہ بغیر دو بازوؤں کے نہیں اڑ سکتا۔ اسی طرح مسلم کا حال ہے کہ کلمہ کے ذریعہ اس کی روحانی طاقت بڑھتی ہے اور نماز کے ذریعہ جسم روح کے تقاضوں کے مطابق بنتا ہے۔ جب روح اور جسم بن گیا تو اس میں قوت پرواز کے لئے دو بازوؤں کی ضرورت ہے۔ وہ علم

اور ذکر ہیں۔ علم دایاں بازو ہے اور ذکر بایاں بازو ہے۔ اس لئے پہلے علم کے بارے میں لکھا جائے گا۔

علم۔

علم جاننے کو کہتے ہیں اور نہ جاننے کو جہالت کہتے ہیں لیکن جاننا بھی دو قسم کا ہے۔ اول یہ کہ صحیح جاننا دوسرے غلط جاننا۔ اس بارے میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ جس کو بچپن میں دوسری یا تیسری اردو کی کتاب میں اسکول میں پڑھا تھا وہ یہ کہ ایک دیہاتی نے کسی سے سنا تھا کہ ایک سواری نئی ایجاد ہوئی ہے جس کا نام ریل ہے وہ بہت آرام سے بہت جلد ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ اور اس کے منھ (انجن) میں سے دھواں نکلتا ہے۔ دیہاتی یہ سن کر مزید تحقیق کئے بغیر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہاں پلیٹ فارم پر ایک بابو جی کالا کوٹ اور پتلون پہنے ہوئے اور سگرٹ منھ میں لگائے ہوئے اور سگرٹ کا کش لگا کر منھ سے دھواں نکالتا ہوا چہل قدمی کر رہا تھا۔ جب دیہاتی نے بابو جی کو اس ہیئت

میں دیکھا تو پیچھے سے جا کر بابو جی پر سوار ہو گیا۔ بابو جی اس اچانک
کے حملہ سے پریشان ہو کر چلانے لگا۔ یہ تو چلا رہے تھے اور
دیہاتی کہہ رہا تھا۔ اب چلانے سے کچھ نہیں بنتا۔ جلدی جلدی
چل مجھے فلاں مقام پر پہنچنا ہے۔ لوگ اس عجیب تماشے کو دیکھ
کر جمع ہو گئے اور دیہاتی سے پوچھنے لگے۔ ارے بھائی تم یہ کیا
حرکت کر رہے ہو۔ دیہاتی نے کہا کہ ارے تم کیسے لوگ ہو۔
میں تو ریل پر سوار ہوں اور یہ دوڑتی ہی نہیں۔ تب لوگ سمجھے
کہ اس نے بابو جی کو ریل سمجھ لیا ہے۔ پھر اسے سمجھا بجھا کر اتارا
اور ریل کا پورا تعارف کرایا۔

بس غلط علم کا یہ ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے صحیح علم کا
حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور ہر چیز کے صحیح اور غلط کا
معیار مقرر ہے۔ یہ بات نہیں جس کو چاہیں صحیح کہہ دیں اور
جس کو چاہیں غلط قرار دے دیں۔ جیسے کہ شکر وہ صحیح سمجھی
جائے گی جس میں مٹھاس ہو۔ نمک وہ صحیح سمجھا جاوے گا جس
میں کھاراپن ہو۔ بھینس اسے سمجھا جاوے گا جو دودھ دیتی ہو۔

پرندہ اسے کہا جاوے گا جو اڑ سکتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ جو چیز مقررہ معیار پر نہ اترے اسے غلط کہا جاوے گا۔ دھوکا سمجھا جاوے گا۔ یہ ہی علم کا حال ہے کہ جو علم انسان کو اللہ کی معرفت اور دنیاو آخرت کی کامیابی کا راستہ بتلا دے وہ صحیح ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ غلط ہے اور اسے جہالت کہا جاوے گا۔ اس کی تفصیل عطر "حیات" میں کی گئی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

تبلیغ میں علم کا نمبر اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہر مسلم کو دین کے ضروری علم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے اور چونکہ دین اسلام صرف نماز۔ روزہ کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کو اللہ کے احکامات اور حضور ﷺ کے طریقوں کے مطابق بنانے اور گذارنے کا نام اسلام ہے اور قرآن و حدیث میں جس علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہی علم ہے۔ اور اللہ رب العزت نے محض اپنے لطف و کرم سے قرآن پاک میں اس علم کے خزانہ کو جمع فرما کر ہمیں عطا فرما دیا ہے اور احادیث میں حضور ﷺ پر اس علم کی تشریح کر کے اس کی ایک ایک چیز کو

کھول دیا ہے۔ بس قرآن و حدیث میں جو ہے وہ حقیقتاً علم ہے اور جو علم اس کی طرف رہبری کرے وہ بھی اس کی نسبت کی وجہ سی علم کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ جہالت ہی جہالت ہے۔ قرآن و حدیث اور اس کی طرف رہبری کرنے والا علم انسان کی ایسی رہبری کا ذمہ دار ہے کہ جس کے ذریعہ انسان دنیا میں بھی ترقی۔ کامیابی حاصل کر سکے اور امن و عافیت محبت و الفت اور ر مودت اور سکون کے ساتھ زندگی گذار سکے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں بھی ہمیشہ کی کامیابی اور عافیت حاصل کر سکے۔

علم کے فضائل۔

اللہ[1] رب العزت فرماتے ہیں کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے کہ اللہ بلند کرتا ہے ان لوگوں کے درجات کو جو ایمان والے ہیں اور علم دئے گئے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں (قرآن)

[1] ریاض الصالحین، (القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم [ا] کا ارشاد ہے کہ اللہ رب اعزت جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے جو لوگ علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تمہارے ادنی پر ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت اور تمام فرشتے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کے سب یہاں تک کہ چیوٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں سمندروں میں رحمت بھیجتے ہیں اس شخص پر جو لوگوں کو علم سکھائے۔ ایک اور ارشاد ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ علم کو حاصل کرو چاہے وہ دنیا کے آخری کنارے میں مل سکے (حدیث) غرضیکہ قرآن و حدیث میں علم

[ا] ریاض الصالحین،

کی بڑی بڑی فضیلتیں ہیں۔ جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور یہاں ان کی گنجائش بھی نہیں کیونکہ اختصار مقصود ہے۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ پوری زندگی کو اللہ کی رضا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے مطابق بنانے کا نام اسلام ہے اور انسانی زندگی عمومی طور سے چار حصوں پر مشتمل ہے (۱) عبادات (۲) معاشرت (۳) معیشت (۴) معاملات۔ اس لئے ان چاروں لائنوں کا علم حاصل کرنا ہر ایک پر ضروری ہے۔ ان چاروں میں عبادات کی لائن بنیادی درجہ رکھتی ہے۔ اب ان چاروں لائنوں کے بارے میں الگ الگ بیان کیا جائے گا۔

(۱) عبادات کا علم اس میں نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوۃ ذکر۔ تلاوت۔ دعاوغیرہ سب ہی داخل ہیں اس لئے جس سے جتنی عبادات متعلق ہوں۔ ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری۔ یعنی جس پر نماز فرض ہو جائے اس پر نماز کا علم حاصل کرنا بھی ضروری۔ یعنی جس پر نماز فرض ہو جائے اس پر نماز کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہو جائے اور جس پر زکوۃ فرض ہو جاوے

اس پر زکوٰۃ کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے۔ اور جس پر حج فرض ہو جاوے اس پر حج کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے اور جس پر روزے فرض ہو جاویں اس پر روزہ کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے لیکن سارے احکامات میں سب سے بڑا حکم نماز کا ہے۔ اس لئے نماز کا علم حاصل کرنا سب پر ہی ضروری چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ چاہے جوان ہو یا بوڑھا۔ اس سے کوئی بھی بری نہیں اور علم دو قسم کا ہے۔ ایک مسائل کا دوسرے فضائل کا۔ مسائل کا جاننا مقدم ہے کیوں کہ عمل کی صحت کا دارومدار مسائل پر ہی ہے اور فضائل کا علم مستحب ہے لیکن اس کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر عمل کا ذوق اور شوق پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) معاشرت کا علم...... معاشرت رہنے سہنے کو کہتے ہیں۔ جس میں گھریلو زندگی اور عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کے ساتھ رہنے سہنے کے طریقے بتائے گئے ہیں کہ ایک مسلم کو اپنے والدین، بیوی، بچے، رشتہ دار اور پڑوسیوں کے ساتھ کس طرح زندگی گذارنی چاہیئے۔ اگر اس لائن کا علم حاصل کر کے

اس کے مطابق رہنا سہنا آجاوے تو پھر کیا کہنے۔ زندگی میں مزے آنے لگیں۔ حضور ﷺ نے عملی طور سے ایک ایک کام کو کر کے دکھادیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنی معاشرت کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی بنا دیں۔ پھر محبوبیت پاؤں چومنے لگے گی اور سارے دکھ ختم ہو جاویں گے۔

(۳) معاشیات کا علم۔ معاشیات میں وہ سارے اعمال اور ساری محنتیں داخل ہیں۔ جن کو کمائی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً زراعت یا کاشتکاری۔ تجارت۔ ملازمت اور مزدوی وغیرہ۔ حضور ﷺ نے اس شعبہ کے ایسے اصول اور طریقے مرحمت فرمائے ہیں کہ اگر ان کے مطابق کمائیاں ہونے لگیں تو دھوکہ، غبن، سود، رشوت، بے ایمانی، جھوٹ سب ختم ہو جاویں اور پھر کمائیوں میں برکت ہونے لگے۔ زندگیاں خوش و خرم گذرنے لگیں۔ محبت والفت اور مودت پیدا ہو جاوے۔ خطرات ختم ہو جاویں۔ بس ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اپنی

کمائی کا علم حاصل کرے اور اپنی اپنی کمائیوں کو اس علم کے مطابق کریں تاکہ دنیا کو سبق دے سکے اور قوت کے ساتھ کہہ سکے کہ اے دنیا والوں آؤ اور کمائی کے طریقے ہم سے سیکھو کہ دنیا امن کا گھوارہ بن جاوے گی۔

(۴) معاملات کا علم۔ معاملات لین دین کو کہتے ہیں جس میں باپ کا بیٹے کو اور بیٹے کا باپ کو، مالک کا نوکر کو نوکر کا مالک کو۔ ضرورت مند کو قرضہ۔ قرضہ کی ادائیگی غرضیکہ کسی کا کسی کو دینا اور کس کا کسی سے لینا۔ امانت کا رکھنا اور پہنچانا یا وقت پر ادا کرنا سب کچھ داخل ہے۔ اس کے طریقے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے دکھائے ہیں جو آپ کی سیرت اور حدیث کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ اگر یہ طریقے رائج ہو جاویں تو دنیا کے اندر کوئی بھیک مانگنے والا نظر نہ آوے۔ ہاں دینے والے ضرور پھرتے دکائی دیگے کہ ہے کوئی ضرورت مند جس کو ہم اپنا مال اور اپنی چیزیں دے سکیں۔ کتنے بہترین طریقے ہیں لیکن حاصل کرنے والے نہیں اس لئے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ ان طریقوں کا

علم حاصل کرے اور ان کے مطابق اپنے معاملات کو بنائے تاکہ دنیا اسلام کی طرف جھکے اور تجھے اپنا آقا اور معلم سمجھنے لگے اور تیرے پیارے نبیؐ کے طریقوں کی قدر و قیمت کو پہچانے۔

بس تبلیغ میں علم کے نمبر کا مقصد یہ ہی ہے کہ پوری زندگی کا علم حاصل کیا جانے لگے اور مسلم کی زندگی ان میں ڈھل جاوے۔

(ب) تیسرے نمبر کا دوسرا جز ذکر ہے

ذکر کی حقیقت دل میں اللہ کے دھیان کا پیدا ہو جانا ہے۔ لیکن اس کا ذریعہ ذکر لسانی ہے جس میں قرآن پاک کی تلاوت۔ مسنون دعائیں اور صبح و شام کی تسبیحات سب ہی داخل ہیں۔ ذکر کے فضائل قرآن و حدیث میں بھرے ہوئے ہیں نمونہ کے طور پر چند کو یہاں لکھا جاتا ہے۔

ذکر کے فضائل :۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے یاد کرو اپنے رب کو

اپنے جی میں شوق اور رغبت کے ساتھ اور ارشاد باری ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پا سکو (قرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب مجھے وہ یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر (فرشتوں کے) مجمع میں (جو کہ معصوم ہیں) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ ایک ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے ایک اور ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق اور

افسوس نہ ہوگا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذر گئی ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو لوگ بھی اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

ذکر کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے چار محنتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اگر ان سے زیادہ کا شوق ہو تو کسی متبع سنت عالم اور بزرگ سے مشورہ کر کے بڑھا سکتے ہیں۔

ذکر کی پہلی صورت...... قرآن پاک پر محنت کرنا۔

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور اس کو تمام کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ اللہ رب العزت کو تمام مخلوق پر۔ اس کے فضائل بے انتہا ہیں۔

قرآن پاک پر محنت کی پہلی شکل :۔

جس نے قرآن پاک حفظ یا ناظرہ پڑھ رکھا ہو۔ وہ چوبیس گھنٹہ میں سے دن یا رات کا کوئی وقت مقرر کرے چاہے

کم سے کم آدھ گھنٹہ ہی ہو اور سب سے افضل پچھلی رات کا وقت ہے۔ لیکن جس کے لئے جو نسا وقت آسان ہو اسی کو مقرر کرے۔ اور اس میں قرآن پاک کی تلاوت کرے۔

تلاوت کے فضائل :۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حسد دو شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک کی تلاوت عطا فرمائی ہو اور وہ دن رات اس میں مشغول رہے دوسرے وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے مال کی کثرت عطا فرمائی ہو اور وہ دن رات اس کو (اللہ کے نام پر) خرچ کرے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قران شریف کی (تلاوت) کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوق پر۔ ایک

اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن قران والوں سے کہا جاوے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں میں چڑھتا جا۔ اور ٹھیر ٹھیر کر پڑھ بس تیرا مرتبہ وہ ہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں تلاوت کی جاتی ہے سکینہ اور رحمت اس گھر میں نازل ہوتی ہے۔ اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں۔

قرآن پاک پر محنت کرنے کی دوسری شکل :۔

جس نے قرآن پاک نہیں پڑھا اس کے لئے قرآن پاک سے نفع اور نور حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ وہ روزانہ گھنٹہ آدھ گھنٹہ مقرر کر کے کسی سے قرآن پاک سیکھنے کا اہتمام کرتا رہے۔ چاہے ایک آیت ہی سیکھ سکے۔ بس سیکھتا رہے اور آگے بڑھتا رہے کہ اسی میں عمر تمام ہو جائے اگر اس نے قرآن پاک ختم کرنے کی نیت کر لی تو چاہے یہ ختم نہ کر سکے لیکن قیامت کے دن اس نیت کا پھل یہ ہو گا کہ اسے قرآن والوں کے ساتھ اٹھایا جاوے گا۔ کتنی بڑی فضیلت ہے۔

قرآن سیکھنے کے فضائل :۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے یا سکھاوے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ جو قرآن شریف سیکھتے ہیں ان کو حشر کے دن عرش کے سایہ کے نیچے رکھا جاوے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو ذرؓ اگر تو صبح کو ایک آیت قرآن شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے۔

قرآن پاک پر محنت کرنے کی تیسری شکل :۔

قرآن پاک سے نفع اٹھانے کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف نہیں پڑھ سکا اور نہ اب پڑھنے کی ہمت ہے تو وہ کسی سے سننے کا اہتمام کرے کہ نفع سے یہ بھی خالی نہیں اور اس کے بھی بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

سننے کے فضائل :۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ایک آیت

کلام اللہ کی سنے اس کے لئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہیں اور جو خود تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔

یہ مضمون بہت سی روایت سے مؤید ہے کہ کلام پاک کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کو پڑھنے سے بھی افضل بتلایا ہے۔ ایک دفعہ سالم مولیٰ خدیفہ رضی اللہ عنہ کلام مجید پڑھ رہے تھے کہ حضور ﷺ دیر تک کھڑے ہوئے سنتے رہے اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن پاک سنا تو تعریف فرمائی۔

قرآن پاک پر محنت کرنے کی چوتھی شکل :۔

قرآن سے نفع اور نور حاصل کرنے کی ایک چوتھی شکل بھی اپنے بزرگوں سے اس تواتر سے سنی ہے کہ اس کے نفع اور نور سے انکار کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت معلوم نہ ہو سکا۔ اگر تلاش کیا جاوے تو شاید کہیں مل بھی جاوے۔ لیکن محبت والوں کے لئے تو بہانہ چاہیئے کہ جس کو اللہ رب العزت سے اور ان کے کلام سے محبت ہو گی وہ پھر کوئی نہ

کوئی راستہ ان سے تعلق اور ان کی یاد کا نکال ہی لیتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

محبت گر نہ ہو مشکل ہیں آداب محبت بھی
محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دیگی

بس اس چوتھی شکل کو محبت والوں کی وجہ سے لکھتا ہوں۔ اگرچہ دلائل نہیں پیش کر سکتا۔ ہاں اس کے واقعات کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دو واقعہ آخر میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ۔ قرآن پاک سے نفع اور نور حاصل کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ جو لوگ تلاوت کرنے اور سیکھنے اور سننے سے معذور ہیں یعنی کہیں ایسی جگہ رہتے ہیں کہ جہاں ان تینوں شکلوں میں سے کسی شکل کی بھی صورت نہیں یا اپنی جسمانی معذوری درپیش ہے کہ کہیں آجا نہیں سکتے تو ایسے لوگ بھی قرآن پاک سے نفع اور نور حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ کوئی وقت مقرر کر کے اچھی طرح وضو کریں۔ خوشبو لگائیں اور قبلہ رخ بیٹھ کر قرآن پاک کو کھولیں اور ایک ایک سطر پر انگلی

پھیرتے جاویں اور کہتے جاویں کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ اس طرح کہ دل میں عظمت و محبت ہو۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔ انشاء اللہ اس طرح کرتے رہنے سے بھی قرآن پاک کا نور حاصل ہو جاوے گا۔

واقعہ :۔ ایک قصہ اہل اللہ کی حکایات میں پڑھا تھا کہ ایک اللہ کے ولی اور نیک و صالح بزرگ سفر کر رہے تھے۔ ایک قبرستان سے گذر ہوا۔ تو دیکھا کہ ایک تازہ قبر سے آسمان تک انوارات کا ایسا سلسلہ جاری ہے کہ گویا نور کا ستون بن گیا ہے۔ ان کو بہت تعجب ہوا کہ دیہات میں ایسا کون بزرگ پیدا ہو گیا کہ جس کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہے کہ انوارات کی بارش ان کی قبر پر برس رہی ہے۔ تحقیق کے واسطے بستی میں پہنچے تو ان کی بیوی سے معلوم ہوا کہ ان کا معمول یہ تھا کہ روزانہ فلاں وقت اچھی طرح وضو کرتے پھر خوشبو لگاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر قرآن کھول کر ایک ایک سطر پر انگلی پھیرتے جاتے اور کہتے رہتے کہ یہ میرے رب کا کلام

ہے۔یہ میرے رب کا کلام ہے۔اور اس قدر روتے رہتے کہ دم گھٹ گھٹ جاتا کہ ایسی حالت میں موت آگئی ویسے یہ ان پڑھ تھے کہ کچھ بھی نہ پڑھا تھا۔بزرگ نے کہا کہ بیشک یہ قرآن کا ہی نور ہے جو ان کی قبر پر برس رہا ہے۔

بس ایک واقعہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں کہ طوالت آج کل کے لوگوں پر بار بن جاتی ہے اور دین کی بڑی کتابوں کو پڑھنے سے ہی گھبرانے لگ جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت کے آداب :۔

ضروری معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت کے کچھ آداب بھی لکھ دئے جاویں کہ "بے ادب محروم گشت از فضل رب" بس سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ قرآن پاک کی محبت و عظمت دل میں پیدا کی جاوے کہ۔ع۔"محبت تجھ کو آداب محبت بھی سکھا دے گی" اور جب تلاوت کا ارادہ کرے تو پہلے مسواک کرے پھر اچھی طرح وضو کرے اور کسی تنہائی کی جگہ میں نہایت وقار و تواضع کے ساتھ روبہ قبلہ بیٹھے اور نہایت ہی

حضور قلب کے ساتھ لطف و مزہ والی کیفیت کے ساتھ اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق تعالیٰ سبحانہ وعزاسمہ، کو کلام پاک سنا رہا ہوں اگر ہو سکے تو خوشبو بھی لگائے درمیان میں کسی سے بات نہ کرے۔ اگر کوئی ضروری بات کرنی ہو تو قرآن پاک کو بند کر کے بات کرے اور پھر اعوذ پڑھ کر شروع کرے۔ زیادہ تفصیلی آداب حضرت شیخ الحدیث مد ظلہ العالیٰ کی فضائل قرآن میں ملاحظہ فرمالیں۔

ذکر کی دوسری صورت۔ صبح وشام کی تسبیحات :۔

احادیث میں بہت سی انواع کے ذکر بتائے گئے ہیں اور ہر ایک کے مستقل فضائل بیان کئے ہیں۔ لیکن چونکہ تبلیغ میں ہر سطح اور ہر طبقہ کے مسلمان آتے ہیں۔ ان کی رعایت کی وجہ سے صرف تین تسبیحات کا کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ایک کلمہ سوئم ۔ دوسرے استغفار۔ تیسرے درود شریف۔ اس لئے اب ان کے علیحدہ علیحدہ مختصر نضائل لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اول کلمہ سوئم یعنی سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر کے فضائل

حضرت اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب معراج میں جب میری ملاقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا کہ جنت کی نہایت عمدہ پاکیزہ مٹی ہے اور بہترین پانی ہے لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یعنی درخت سبحان اللہ والحمد اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں جتنے کسی کا دل چاہے لگا لے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کلموں میں سے ہر کلمہ کے بدلے ایک درخت جنت میں لگایا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ سو مرتبہ پڑھا کرو اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو غلام عرب آزاد کیے اور الحمد للہ سو مرتبہ پڑھا کرو اس کا ثواب ایسا ہے کہ گیا تم نے سو گھوڑے مع سامان اور لگام وغیرہ جہاد میں سواری کے لئے دئے اور اللہ اکبر سو مرتبہ پڑھا کرو یہ ایسا ہے گویا تم نے سو اونٹ قربانی میں ذبح

کئے اور وہ قبول ہو گئے اور لا الہ اللہ اللہ سو مرتبہ پڑا کرو اس کا ثواب تو تمام آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔

غرضیکہ حدیث کی کتابوں میں بے شمار فضائل اس کلمہ کے بیان کئے گئے۔ نمونہ کے طور پر اسی قدر کافی ہیں کہ کرنے والے کے لئے ایک بھی کافی ہے۔

(ب) استغفار کے فضائل :۔

خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ اپنے گناہوں پر استغفار کرتا رہے۔ ایک اور ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ میں آپ کی امت پر اس وقت کوئی عذاب نہ بھیجوں گا جب تک آپؐ ان میں موجود ہیں یا یہ استغفار کرتے رہیں گے۔

فائدہ...... استغفار کرتے رہنا کتنی بڑی نعمت ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ فرمارہے ہیں کہ امت کے عذاب سے بچنے کی دو ہی شکلیں ہیں یا وجود پاک ﷺ یا استغفار کی کثرت۔ اب حضور صلی اللہ تو تشریف لے جا چکے۔ لیکن آپ کے وجود کا بدل اللہ رب العزت نے قیامت تک کے لئے امت کو عطا فرما

دیا کہ استغفار کرتی رہے کتنا آسان اور سہل نسخہ ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ایک جگہ ارشاد ہے دن رات میں ستر سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ ایک مجلس میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹھے اگر تیرے گناہ زمین اور آسمان کے درمیان کو بھر دیں اور تو میری طرف رجوع کرے اور استغفار کرئے تب بھی میں تیری مغفرت کر دوں اس طرح کہ تو ایسا ہو جاوے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ غرضیکہ استغفار کے فضائل قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہیں۔ لیکن استغفار کے الفاظ مختلف ہیں۔

ثوبان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ

اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ کی تعلیم دی۔ غرضیکہ احادیث میں متعدد قسم کے الفاظ حضور ﷺ سے نقل کئے گئے ہیں جو سنا یاد ہو جاوے یا جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اسی کا ورد کر لیا جاوے کہ مقصد دل سے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے لیکن عام طور سے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ کا ورد زیادہ تر بتایا جاتا ہے کہ اس میں استغفار بھی ہے اور توبہ بھی۔

(ج) تیسرے درود شریف

درود شریف کے فضائل کثرت سے کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے اہم اور مقدم خود حق تعالیٰ شانہ، جل جلالہ، عم نوالہ، کا پاک ارشاد اور حکم ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پ ۲۲ ع ۳)

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبر ﷺ پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ جل شانہ، اس پر دس دفعہ درود بھیجتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے سامنے میرا نام آوے اس کو چاہیئے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ شانہ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہو گا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔ غرضیکہ درود شریف کے فضائل اسقدر ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف سے ثواب اور رفع

درجات اور نجات دلانے میں کوئی عمل بھی نہیں بڑھ سکتا۔

تسبیحات کی ترتیب...... ان تین تسبیحات کی ترتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہ اس طرح فرمایا کرتے تھے اور بندے کو خود کو بھی یہ ترتیب بتلائی کہ سوئم کلمہ کی ایک ایک تسبیح صبح و شام وقت کے تعین کے ساتھ پوری کی جاویں اور استغفار اور درود شریف کی دو دو تسبیح ایک وقت کو مقرر کر کے پوری کر لی جاویں اور دوسری ترتیب یہ ہے کہ جو عام ہے کہ تینوں تسبیحات کی ایک ایک تسبیح صبح و شام پوری کر لی جاویں۔ وقت کا تعین اس میں ضروری اور مفید ہے۔

درود شریف کے بارے میں یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کوئی چھوٹی درود شریف یاد کر کے اسے روزانہ پڑھا جاوے اگرچہ نماز والی درود ابراہیمی کی فضیلت بہت ہے۔ لیکن وہ لمبی ہونے کی وجہ سے ہر حال میں پوری کرنا ہر ایک لئے مشکل ہو جاوے گا۔ اور چھوٹی چھوٹی درود شریف بہت ہیں۔ فضائل درود میں سے کسی کا انتخاب کر کے یاد کرنے اور اسی کا ورد رکھے۔

ذکر کی تیسری صورت۔ مسنون دعائیں

ذکر کی تیسری شکل یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کی ان دعاؤں کا اہتمام کرنا جن کا آپ نے وقت اور عمل کے اعتبار سے اپنی مبارک زندگی میں اہتمام فرمایا ہے۔ مثلاً صبح و شام کی دعائیں گھر میں داخل ہونے اور نکلنے، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے سونے اور جاگنے۔ بیت الخلاء وغیرہ وغیرہ سب قسم کی دعائیں شامل ہیں اور تبلیغ کی برکت سے اس زمانے میں اردو دانوں کی سہولت کے لئے حضرات علماء کرام نے ان کو چھوٹے چھوٹے رسالوں میں جمع فرما کر مسنون و مقبول دعائیں کے نام سے شائع کر دیا ہے ان دعاؤں کے فضائل بہت زیادہ مجرب ہیں اور سب سے افضل بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع ہے۔

ذکر کی چوتھی صورت :۔

ذکر کی چوتھی شکل یہ ہے کہ اپنی زبان کو کسی ذکر کا عادی بنانے کی کوشش کی جاوے کہ کام کرتا رہے اور زبان پر ذکر جاری رہنے لگے۔ اس میں کوئی قید نہیں کہ فلاں ذکر ہی ہو

بلکہ جس ذکر سے جس کو مناسبت ہو اسی کی عادت ڈالے مثلا درود شریف استغفار یا سبحان اللہ وغیرہ۔ اس عادت کے پڑجانے سے زبان غیر ضروری باتوں سے محفوظ بھی رہے گی اور اجر و ثواب بھی ملتا رہے گا۔

ذکر کی چار شکلیں ہوئیں۔ ان کے علاوہ سے انکار نہیں۔ آسانی اور سہولت کے لئے ان شکلوں کو پیش کر دیا ہے۔ یوں اللہ کا نام کسی طرح بھی لے لیا جاوے نفع سے خالی نہیں کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب یعنی جان لو اور خبر دار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کا اطمینان ہے۔ اطمینان قلب نہ مال کی فراوانی اور کثرت میں ہے نہ اسباب اور سامان عیش و راحت کی زیادتی میں ہے۔ نہ بڑے بڑے عہدوں اور بادشاہت میں ہے۔ یہ دولت اگر ہے تو صرف اللہ کی یاد میں ہے۔ اگر اللہ کی یاد دل میں آگئی تو پھر گدڑی اور چٹائی پر سو کر اور جھونپڑے میں رہ کر بھی وہ سرور اور بے فکری میسر ہوتی ہے کہ جس کو دنیا کے بازاروں میں کسی قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا۔

چوتھا نمبر..................اکرام مسلم

سابقہ تین نمبر یعنی کلمہ۔ نماز۔ علم وذکر سے انسان کے دل کی حالت و کیفیت میں پاکیزگی اور صفائی اور اعضاو جوارح میں صحیح عمل کرنے کی استعداد و صلاحیت اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ ان مذکور اعمال اور ان پر محنت نہ کی جاوے تو سدھار کی کوئی شکل ہی نہیں بلکہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ اگر دنیا کی زندگی میں یہ بات سمجھ میں آگئی تو غنیمت ہے کہ زندگی سدھار سکتا ہے اور محنت کا موقع ہے۔ ورنہ دنیا کی زندگی کی آخری منزل اور آخرت کی زندگی کا دروازہ یعنی موت سارے ہی انسانوں کو سمجھا دیتی ہے لیکن اس وقت کا سمجھنا بے سود اور بے کار ہے کہ کرنے کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور نتیجہ یا ثمرات کے ملنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کی طرف سے شفیق و مربی اور محسن انسانیت اور صادق و مصدوق امام الانبیاء محمد الرسول اللہ ﷺ نے انسانوں کو زندگی گذارنے اور زندگی بنانے کے ایسے اعلیٰ

اور پاکیزہ طریقے مرحمت فرمائے ہیں کہ ان سے بہتر طریقے ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر صدہا برس تلاش کیا جاوے اور دنیا بھر کی ساری کتابوں کی چھان بین کر لی جاوے تب بھی کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں مل سکتی جو حضور ﷺ کی کسی ادنی بات یا ادنی طریقہ کا مقابلہ کر سکتے۔ چنانچہ قرآن پاک میں خود خالق و مالک اور قادر مطلق اللہ رب العزت نے پوری انسانیت کو چیلنج کیا ہے کہ اے دنیا کے بادشاہو، اور وزیرو۔ اے عقلمندو اور ادیبو اے شاعرو، اور سائنسدانو! تم سب مل کر بھی ایک بات ہی ایسی پیش کردو جو قرآن پاک کی کسی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی مشابہت یا مقابلہ کر سکے۔ اس اعلان کو آج تقریباً چودہ سو سال ہو گئے لیکن اب تک کوئی ایسا انسان پیدا نہ ہو سکا جو اس چیلنج کا جواب دے سکے اور یہ دعویٰ ہے کہ قیامت تک بھی کوئی ایسا پیدا نہیں ہو سکتا جو اس کا جواب پیش کر سکے۔ بہر حال۔

کلمہ سے روح اور نماز سے جسم صحیح ہوتا ہے اور علم سے صحیح راستہ ملتا ہے اور ذکر سے روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن انسان

کتنا ہی حسین و خوبصورت ہو جب تک اس کے جسم کو لباس سے آراستہ نہ کیا جاوے وہ برابر اور قابل نفرت ہی رہتا ہے۔ ننگے آدمی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا چاہے کتنا ہی حسین ہو اور اگر لباس بہترین ہو تو پھر بد شکل سے بد شکل کو بھی پسند کیا جاتا ہے اسلئے اکرام کا نمبر بہت ہی اہمیت رکھتا ہے اس کے چار درجات ہیں۔ اول حقوق دوسرے اخلاق ۔ تیسرے ایثار۔ چوتھے اکرام۔ ہر درجہ اپنے اعتبار سے نہایت ہی اہم ہے۔

درجہ اول۔ حقوق

اکرام کے نمبر میں سب سے مقدم یہ ہے کہ حقوق کو معلوم کر کے ان کی ادائیگی کی جاتی رہے جس میں والدین کے حقوق ۔ پڑوسیوں کے حقوق۔ عورت کے خاوند پر اور خاوند کے عوت پر حقوق۔ مسافر کے مسافر پر۔ مسافر اور اجنبی کے مقامیوں پر۔ محکوم کے حاکم پر اور حاکم کے محکوم پر غریب کے مالداروں پر۔ مالدار کے غریبوں پر۔ چھوٹوں کے بڑوں پر اور بڑوں کے چھوٹوں پر یہاں تک کہ جانوروں تک کے حقوق

داخل ہیں۔ حدیث میں ہے ایک فاحشہ عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلادیا تھا۔ اللہ کو اس کا یہ عمل اسقدر پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرمادی اور دوسری حدیث میں دوسرا ایک واقعہ ہے کہ ایک عورت نے جو کہ عابدہ بھی تھی۔ ایک بلی کو پالا اور بھوکی رکھا تو اس کو اس فعل پر عذاب میں مبتلا کر دیا گیا جب جانوروں کے بارے میں اس قدر انعامات یا گرفت ہے تو انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے۔ اس کے حقوق کی ادائیگی کس قدر ضروری اور اہم ہو گی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حقوق کی باز پرس ہو گی اور اللہ رب العزت خود فیصلہ فرمارہے ہوں گے۔ قیامت کی احادیث میں یہ بھی ہے کہ اگر بے سینگ والی بکری کو سینگوں والی بکری نے مارا ہو گا تو قیامت کے دن بے سینگ والی کو سینگ دے کر اور سینگوں والی کو بے سینگ رکھ کر اللہ بدلہ دلائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کی دو پیسے بھی ادانہ کیئے ہونگے تو قیامت کے دن ان دو پیسوں کے بدلے ساڑھے

ساتھ سو نمازیں دینی پڑیں گی۔ اور اگر کسی کے پاس نیکی نہ ہوگی حق والے کے گناہ حق ادا نہ کرنے والے کی طرف منتقل کرکے بدلے دلایا جاوے گا۔ اس لئے حقوق کو معلوم کرنا ور ادا کرنا نہایت ضروری ہے حدیث میں ہے۔

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس

تم میں سب سے بہتر وہ آدمی جس سے دوسروں کو نفع پہنچے

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمآء.

تو زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا (خداوند کریم) تم پر رحم کرے گا۔

تیسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاللهِ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ

اللہ رب العزت بندے کی اس وقت تک مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ اللہ کے بندوں کی مدد کرتا رہتا ہے۔

درجہ دوم اخلاق

اکرام کے نمبر میں دوسری محنت اخلاق کو بنا نیکی ہے۔

اخلاق پسندیدہ عادات کو کہتے ہیں لیکن اس کا معیار اور ترازو اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ جو مقرر کیا ہے اس کے مطابق اپنی عادات کو بنانا اور سنوارنا اخلاق میں شمار کیا جاوے گا۔ اگر اس کے خلاف ہے تو پھر اسے اخلاق نہیں کہہ سکتے کیوں کہ خود حق تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْم

بیشک آپ بلند اور اعلیٰ اخلاق والے ہیں

پس جس ذات کے اخلاق کی تصدیق خود حق تعالیٰ شانہ اسقدر بلند الفاظ میں فرماتے ہوں ان سے بڑھ کر کون اخلاق والا ہو سکتا ہے۔ پس اخلاق کو بھی حضور ﷺ کی زندگی سے ہی سیکھا جا سکتا ہے۔

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اخلاق انسان کے لباس کے مانند ہیں۔ اگر انسان میں اچھے اخلاق ہوں تو سب کو پسند

اور محبوب ہوتے ہیں اور اگر اخلاق خراب ہوں تو اپنے بھی نفرت اور برائی کرتے ہیں۔ آپ کے اخلاق شمائل ترمذی میں کچھ جمع کئے گئے ہیں۔ یہاں اختصار کی وجہ سے درج نہیں کئے گئے۔ البتہ عطر حیاۃ میں اس کی کچھ تفصیل کی گئی ہے۔

درجہ سوم۔ ایثار

ایثار اخلاق کے کمال کو کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت قربان کر کے دوسرے کی ضرورت کو پورا کر دینا اور حدیث میں جو حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ

اپنے کو اللہ والے اخلاق سے آراستہ کرو

اس حدیث میں اسی کی دعوت ہے کہ اللہ رب العزت کے اخلاق یہ ہیں جو کہ ہر مخلوق پر قدرت رکھتے ہیں۔ جس کو چاہیں پیدا کریں جسے چاہیں ختم کر دیں۔ جس کو چاہیں عزت دیں جس کو چاہیں ذلیل کریں۔ جس کو چاہیں کھانے کو دیں اور جس کو چاہیں بھوکا رکھیں اور دنیا کی کوئی مخلوق چاہے وہ فرشتے

ہوں یا انسان۔ جنات ہوں یا حیوان۔ یہاں تک کہ زمین و آسمان چاند و سورج۔ پانی اور ہوا۔ سمندر اور پہاڑ سب پر حاوی اور قادر ہیں کہ ان کے ارشاد کے بغیر کوئی مخلوق ہرکت نہیں کر سکتی۔ اور سب کے قریب ہیں کہ فرماتے ہیں۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد

یعنی میں تمہاری شہ رگ سے زیادہ تمہارے قریب ہوں۔

اور کرنے میں اتنے قادر کہ خود فرماتے ہیں۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ شَيْئاً اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْن

کہ جب وہ کسی شے کے کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو صرف کُن فرماتے ہیں اور وہ ہو جاتا ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود ایسے اخلاق والے ہیں کہ سب کو کھلاتے ہیں خود نہیں کھاتے کیونکہ وہ ہر چیز سے پاک ہیں۔ سب کی ہر قسم کی ضروتیں پوری کرتے ہیں۔ خود کسی کے کسی وقت اور کسی کام اور شے میں محتاج نہیں۔ لیکن انسان محتاج ہے۔ یہ کھانے کا محتاج۔ کپڑوں کا محتاج مکان کا محتاج۔ غرضیکہ

محتاج ہی محتاج ہے۔ ہوا کا محتاج۔ پانی کا محتاج۔ کیا ایک احتیاج ہے ہزاروں قسم کی احتیاج میں مبتلا ہے۔ پھر یہ اللہ والے اخلاق سے کیسے آراستہ ہو سکتا ہے لیکن انسان پر اللہ کی شفقت اور اکرام ہے کہ اگر یہ ایثار پیدا کرے تو اس صفت کو اپنے والے اخلاق قرار دے لیتے ہیں۔ ایثار کے واقعات اگر دیکھنا ہوں تو سرکار مدینہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پاک کا مطالعہ کریں۔ بس مختصر یہ ہے کہ دوسروں کو کھلاتے ہوئے۔ خود کھانا۔ دوسروں کو پہناتے ہوئے خود پہننا۔ دوسروں کی ضروتیں پورا کرتے ہوئے اپنے ضرورت پوری کرنا۔ ایثار میں داخل ہے۔ مثلاً ایک آدمی بھوکا ہے اور اسکے پاس دوروٹی ہیں کہ اپنا پیٹ ہی بمشکل بھر سکتا ہے۔ اب وہ کھانے کے لئے بیٹھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا میں بھوکا ہوں۔ اب اخلاق تو یہ بھی کہلائے گا کہ ایک روٹی خود کھالے اور ایک سائل کو دیدے لیکن ایثار یہ ہے کہ دو کی دو اس کو دیدے اور خود بھوکا رہ جائے۔ ایک واقعہ پر اس مضمون کو پورا

کرتا ہوں کہ کرنے والوں کے لئے ایک بھی کافی ہے اور نہ کرنے والوں کے لئے اگر سیکڑوں واقعات درج کر دیئے جائیں تو بے سود ہیں۔

ایک صحابیؓ کا روزہ دار صحابی کے لئے چراغ بجھا دینا

ایک صحابیؓ روزہ پر روزہ رکھتے تھے اور افطار کیلئے کوئی چیز میسر نہ آئی تھی۔ حضرت ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا اور بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا۔ جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جاوے خود نہ کھانا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کہ کھا رہے ہوں صبح کو حضرت ثابتؓ جب حضور کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہ کو بہت ہی پسند آیا۔

ایسے سیکڑوں واقعات حضرات صحابہ کرام کے حدیث کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں ان کی اسی صفت پر حق تعالیٰ

شانہ ان کی اس طرح تعریف فرمائی۔

یُؤثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃ

کہ وہ (آپؐ کے صحابہؓ) اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو اپنے اوپر تکلیف اٹھانی پڑے۔

درجہ چہارم۔ اکرام

چوتھے نمبر کا چھوتھا درجہ اکرام ہے۔ جس کے بارے میں خود حق تعالیٰ شانہ نے فرمادیا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

تم میں سے اکرام کے قابل وہ شخص ہے جس میں تقویٰ پایا جاوے۔

اکرام عزت و احترام کو کہتے ہیں اور اللہ نے قابل احترام اہل تقویٰ کو قرار دیا ہے جس میں تقویٰ نہ ہو وہ اس زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور تقویٰ کے درجات بہت ہیں لیکن اس کی ابتداء کلمہ طیبہ کے پڑھنے اور اقرار کرنے کے بعد سے

ہو جاتی ہے کہ یہ کلمہ تقویٰ کا کلمہ کہلاتا ہے۔ کہ اس کلمہ کی تصدیق دل سے اور زبان سے پختہ اقرار کر لینا تقویٰ کے دروازے میں داخل کر دیتا ہے۔ پھر اس کا احترام واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کی اللہ رب العزت کے ہاں بہت قیمت ہے کہ یہ ہی وہ کلمہ ہے کہ جس کے ذریعہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آدمی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے کچھ فضائل پہلے نمبر کے ذیل میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اکرام کے نمبر کے ماتحت جو تین درجے لکھے گئے ہیں۔ یعنی حقوق۔ اخلاق۔ ایثار وہ سب کیلئے یکساں ہیں۔ چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ چاہے بھائی ہو یا غیر ہو۔ لیکن اکرام کے لئے مسلم ہونا شرط ہے اور اس میں صرف دل کی کیفیت اور نیت کا فرق ہو گا۔ بظاہر چنداں فرق محسوس نہیں ہوتا۔

کلمہ گو چاہے کیسا ہی ہو اور کتنا ہی بد عمل ہو لیکن اس کی ذات کا اکرام کیا جاوے اور اس کے برے اعمال کی دل میں بھرپور نفرت کی جاوے اور اسے راہ راست پہ لانے کی پوری

فکر اور محنت کی جاوے اور اس کی محبت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جاوے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اپنا بچہ ہو اور وہ پاخانہ کر کے اس میں لت پت ہو جاوے۔ تو پاخانہ سے تو نفرت ہی ہو گی لیکن اس کی وجہ سے بچہ کو چھوڑا نہیں جا سکتا بلکہ فوراً اٹھا کر اسے پاک کیا جاوے گا اور پھر محبت سے گود میں لے کر چھاتی سے چمٹا لیا جاوے گا کیونکہ اس سے فطری محبت ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہی ہے کہ گندگی سے پاک کرنا اور ذات سے محبت کرنا۔

بس مومن کی ایمانی صفت کا تقاضہ بھی یہ ہی ہے کہ ذات سے محبت کی جاوے اور برائیوں سے نفرت اور برائیوں میں پڑا دیکھ کر دل میں دکھ اور رنج ہو اور کسی بہترین تدبیر اور ترکیب کے ساتھ اسے ہٹانے کی کوشش کرتا رہے۔

ان چاروں شکلوں کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کی منشا اور حکم کے مطابق معاملہ کرنا۔ یہ ہی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ کا مفہوم ہے۔

پانچواں نمبر .... تصحیح نیت

پانچواں نمبر سارے اعمال میں جاری و ساری ہے کہ نیت کو صحیح کیۓ بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اور نیت دل کے اندر کے جذبہ اور ارادے کو کہتے ہیں۔ اگر دل میں ارادہ صرف دنیا بنانے اور کمانے کا ہے تو عمل کو دنیا قرار دیا جائے گا۔ اور دل کا ارادہ کسی انسان کو خوش کرنے کا ہے تو اسے ریا قرار دیا جاوے گا۔ بس جس طرح تمام چیزوں کو جانچنے اور پرکھنے کی کوئی نہ کوئی علامت یا ترازو۔ یا آلہ رکھا گیا ہے۔ اسی طرح نیت کو پرکھنے کی کسوٹی بھی مقرر اور طے شدہ ہے۔ اگر عمل کی وجہ اللہ ہے تو اسے اخلاص کہتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی نجات کا ذریعہ اور کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور بغیر اخلاص کے بڑے بڑے نیک عمل بھی رد کر دۓ جاتے ہیں۔ نیت کو صحیح کرنے کے لیے چار محنتیں ہیں۔

ا۔ ریاکودل سے نکالنے کی محنت

ریا کے معنی لغت میں دکھلاوا کے کئے ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ جو عمل اللہ کے غیر کی وجہ سے کیا جاوے وہ ریا ہے۔ یا جو اللہ کے غیر کی خوشی کے لیے کیا جاوے وہ ریا ہے اہل معرفت نے ایک عجیب بات فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک میں لکھا ہے۔ کہ :۔

ریا یہ نہیں کہ نیک عمل کو کسی کے دکھلاوے کے لیے کیا جائے۔ یہ تو شرک ہے۔ ریا تو اسے کہتے ہیں کہ کسی نیک عمل کو لوگوں کی ہنسی مذاق یا شرم کی وجہ سے چھوڑ دے۔

بعض حدیثوں میں حضور ﷺ نے بھی ریا کو شرک سے تعبیر فرمایا ہے اگرچہ علماء نے اسے شرک اصغر سے تعبیر کیا ہے ایک حدیث قدسی میں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ میں سب شرکاء میں شرکت سے بہت بے نیاز ہوں یعنی دنیا کے شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے

ہیں اور میں خلاق علی الاطلاق ہوں۔ بے پرواہ ہوں۔ غیر کی شرکت سے بیزار ہوں جو شخص کوئی عمل ایسا کرے جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرے میں اس کو اس شریک کے ہی حوالے کر دیتا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہو جاتا ہوں۔ (فضائل تبلیغ) ایک دوسری جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے شہید کو بلایا جائے گا اور اللہ رب نے جو انعام اس پر کئے تھے گنوائیں گے وہ سب کا اقرار کرے گا۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ ان میں تو نے میرے لیے کیا عمل کیا وہ جواب دے گا کہ اے میرے رب میں نے تیرے راستے میں قتال کیا یہاں تک کہ خود شہید ہو گیا۔ فرمائیں گے جھوٹ کہا۔ تو نے قتال اس لیے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں سو کہا جا چکا۔ پھر اسے اوندھے منھ جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اس کے بعد ایک عالم کو بلایا جائے گا جس نے علم سیکھا تھا اور سکھایا تھا اور قرآن پاک کی کثرت سے

تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس پر اللہ رب العزت اپنے انعام گنوائیں گے اور وہ اقرار کرے گا۔ پھر پوچھا جاوے گا تو نے ان میں کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا اے میرے مولا میں نے تیرے دین کے علم کو سیکھا اور سکھایا اور تیرے کلام پاک کی تلاوت کرتا رہا۔ ارشاد ہو گا تو نے جھوٹ بولا۔ بلکہ یہ تو نے اس لیے کیا تھا کہ لوگ تجھے عالم اور قاری کہیں۔ سو کہا جا چکا اس کے بعد اسے بھی اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اس کے بعد ایک ایسے شخص کو بلایا جاوے گا جس کو اللہ نے مال کی مختلف قسمیں عطا فرمائی تھیں اور اللہ رب العزت اس پر اپنے انعامات کو گنوائیں گے وہ سب کا اقرار کرے گا۔ ارشاد ہو گا تو نے ان میں ہمارے لیے کیا عمل کیا وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ میں نے کوئی جگہ ایسی نہ چھوڑی کہ جہاں تو خرچ کرنے سے راضی ہو اور میں نے واں خرچ نہ کیا ہو (یعنی آپ کی مرضیات کی تمام شکلوں پر میں نے دل کھول کر خرچ کیا) ارشاد ہو گا تو نے جھوٹ بولا۔ بلکہ یہ تو نے اس لیے کیا تھا کہ لوگوں تجھے سخی

کہیں۔ سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد اسے بھی اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جاوے گا (ریاض الصالحین)

غور فرمائیں کہ کیسے کیسے اونچے عمل کرنے والوں کا صرف نیت کی خرابی یعنی ریا کی وجہ سے کیا حشر ہوا کہ شہادت جیسا اونچا عمل اور تعلیم و تعلم اور قرآن اور صدقہ و خیرات جیسے اللہ کے پسندیدہ اعمال صرف ریاء کی وجہ سے مردود قرار دئے گئے اور عمل کرنے والے جہنم میں ڈال دیئے گئے یہ ایسا مرض ہے کہ بہت دیر میں دل سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ میرے اندر ریاء کا وجود ہے۔ بلکہ اپنے کو مخلص ہی سمجھتا رہتا ہے۔ اس لیے اپنی نیات کو ٹٹولتے رہنا چاہئے۔ اور ریاء کو ختم کرنے کی پوری کوشش جاری رہنی چاہئے۔

(ب) وجہ عمل اللہ کو قرار دینا

دوسری محنت تصحیح نیت کی یہ ہے کہ اپنے ہر عمل میں یہ کوشش کی جاوے کہ میں اسے اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔ یعنی نیکی اس لیے کرنا کہ اللہ راضی ہوتے ہیں۔ برائی اور گناہ سے

اس لیے بچنا کہ اس سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ چاہے وہ کام دنیاوی زندگی کے تقاضوں کی بنا پر کیا جاوے یا نفس کے تقاضوں کی بنا پر کیا جاوے یا آخرت کے بنانے کی غرض سے کیا جاوے یعنی دین و دنیا کے سارے کام اللہ کی وجہ سے کرنے آجاویں۔ عبادات۔ معاشرت معاشیات اور معاملات سب کا یہ حال بن جاوے اس کو شریعت میں اخلاص کہتے ہیں اخلاص کی برکت سے معمولی معمولی کام بھی بڑے بڑے درجات دلانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہ ہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ دوسری حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہم ایک غزوہ کے لیے جا رہے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو ہمارے سفر کے ثواب میں پورے پورے شریک ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہم کسی وادی میں سے گزرتے ہیں تو اس کا

ثواب۔ اور جو ہم سفر میں قدم رکھتے ہیں ان سب کے ثواب میں وہ برابر کے شریک ہیں (کیونکہ ان کی نیت سفر کی تھے) لیکن ان کو ان کے مرض نے روک دیا۔

غرضیکہ نیت کو بنانے کی پوری محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم بے فکری سے زندگی گزار رہے ہیں اور اس کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔

(ج) استخلاص کا پہلا درجہ

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے بادشاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کے بارے میں قول نقل کیا ہے۔

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ. کہ میں یوسف علیہ السلام کو خالص اپنے لیے خاص کر دوں گا۔ تو استخلاص اسی کو کہتے ہیں کہ بالکلیہ کسی کا ہو رہنا۔ یہ ہی عرف میں مقام رضاء بر قضاء کہلاتا ہے۔ یوں تو اسلام کے طریقے ایسے ہیں کہ اگر ان کے مطابق زندگی بنالی جاوے تو سارے ہی امور عبادت بن جاتے ہیں۔ چاہے وہ کھانے کمانے کے ہوں۔ یا لینے دینے کے۔ چاہے وہ

ٹٹی پیشاب سے فراغت حاصل کرنے کے لئے کئے جاویں اور چاہے نفس کے تقاضے کو بیوی سے پورا کرنے کی غرض سے کیا جاوے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق عمل کیا جاوے گا وہ باعث اجر و ثواب اور اللہ کی خوشنودی کا سبب بنے گا۔ لیکن اللہ رب العزت نے زندگی کو پاکیزہ اور اپنے رضاء کے طریقوں پر بنانے کی محنت کے لیے عبادات کے نام سے جو اعمال اور احکامات عطا فرمائے ان کو خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں اخلاص کی مشق کی وجہ سے زندگی پاکیزہ اور دل صاف و شفاف ہو کر رضاء بر قضا کے مقام تک انسان پہونچ جاتا ہے۔ اور عبادات میں بھی نماز کا عمل بہت ہی خاص ہے۔

عبادت اسے کہتے ہیں کہ جس عمل میں دنیاوی اور نفسانی تقاضہ کی شرکت کا شائبہ بھی نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ حج، اگر دیکھا جاوے تو سوائے دیوانگی کے کوئی نفع دکھائے نہیں دیتا۔ زکوۃ کہ جس میں سوائے مال کے کم ہونے کے کوئی نفع نہیں دکھائی دیتا۔ روزہ۔ کہ جس میں سوائے بھوکا پیاسا رہنے

کے کوئی نفع کی شکل نہیں دکھائی دیتی لیکن ان کے بالمقابل۔ زراعت، تجارت وغیرہ میں کھلم کھلا نفع دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے ان شکلوں میں تو مومن اور غیر مومن سب ہی شریک ہیں۔ لیکن مومن کی خصوصیت کیا ہے وہ عبادات والی لائن سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن ان اعمال کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کے کرنے میں بالکلیہ استخلاض نہیں۔ بلکہ ان کے کرتے ہوئے۔ بہت سے کام جائز رکھے۔ گئے ہیں مثلاً حج اگرچہ بڑا حکم ہے لیکن اس میں کھانا پینا۔ لینا دینا۔ لیٹنا۔ سونا۔ چلنا پھرنا۔ سب جائز ہیں اور اسے حج میں کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح زکوٰۃ اگرچہ بڑی عبادت ہے لیکن اس میں بھی سارے جائز امور کو انجام دیتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو سکتی ہے اور اس میں کچھ کمی یا فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح روزہ بہت اونچا عمل اور اللہ کی رضاء کا اعلیٰ ذریعہ ہے لیکن اس میں بھی سوائے کھانے پینے کے سارے جائز امور انجام دئے جا سکتے ہیں۔

اس لیے اگرچہ یہ ارکان اسلام اور اہم امور اور اعلیٰ

عبادات میں سے ہیں۔ لیکن پورا پورا استخلاص کا ظہور ان سے نہیں ہوپاتا ہے۔ اور معترض کو اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے۔ اور وہ اپنے ادیان باطلہ میں بھی اس کی مشابہت کا دعوہ کر سکتے جس کی وجہ سے حق وباطل میں کھلم کھلا فرق سامنے نہیں آسکتا۔ اس لیے اللہ نے نماز کا حکم عطا فرما کر استخلاص کا مکمل نمونہ پیش کرلیا۔ کہ نماز کی نیت کے بعد جائزامور بھی ناجائز قرار دیدئے گئے۔ مثلاً کھانا جائز تھا لیکن اب نہیں کھا سکتے۔ بیوی سے بات کرنا جائز تھا۔ لیکن نماز میں نہیں کر سکتے۔ سودا لانے اور خرید و فروخت کی باتیں کرنا جائز تھا لیکن نماز میں نہیں کر سکتے۔ بس نماز جسمانی طور سے استخلاص کا مکمل نقشہ ہے۔ کہ تمام مشاغل سے نکل کر اور اللہ کی رضاء کو مقصد بنا کر اللہ کے سامنے آکر کھڑا ہو جانا۔ لیکن اب ایک کمی باقی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ لا يَنْظرُ اِلىٰ صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِن يَنْظر اِلىٰ قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُم

کہ اللہ رب العزت تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں

دیکھتے بلکہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

بس جس طرح جسم کو تمام مشاغل اور ضرورتوں اور اغرہ سے فارغ کر کے نماز کے عمل میں لاکر کھڑا کر دیا اسی طرح دل کو بھی اللہ کی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔

(د) استخلاص کا دوسرا درجہ :۔

اب استخلاص کی دوسری محنت یہ ہے کہ دل میں اللہ کے غیر کا خیال نہ آنے دے کہ جس طرح جسم کو ساری مخلوق سے نکال کر صرف اللہ کی رضا کے لیے نماز میں لاکر کھڑا کر دیا اسی طرح دل سے تمام تفکرات اور خیالات کو نکال کر اللہ کا دھیان۔ اللہ کا تصور اور اللہ کے حضوری پیدا ہو جاوے۔ یہ مقام محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ ابتداءِ میں تھوڑی محنت کرنی پڑے گی۔ اور اس کی صورت اور ترکیب یہ ہے کہ جو خیالات دل میں آویں ان کے روکنے اور ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ ان کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ کیونکہ دل کی مثال بزرگوں نے سڑک سے دی ہے۔ اور سڑک چونکہ عام ہوتی ہے۔ اس پر ہر

قسم کی سواریاں اور ہر قسم کے جانور اور ہر قسم کے انسان سفر کرتے ہیں اور چلتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی مسافریوں چاہے کہ صرف سڑک پر وہ ہی چلیں جو مجھے پسند ہیں۔ اور ناپسندیدہ لوگوں یا سواریوں یا جانوروں کو روکنے میں لگ جاوے۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ سب اسے بے وقوف بتلائیں گے اور اس کی پٹائی کریں گے۔ اور پھر یہ ہو گا کہ یہ دوسروں کو کیا روکتا۔ خود ہی مصیبت میں پھنس جاوے گا اور اپنی منزل مقصود کو نہ پہونچ سکے گا۔ منزل مقصود تک پہونچنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نظر جھکا کر منزل مقصود کو سامنے رکھ کر سڑک کے ایک کنارے سے چلتا رہے۔ پھر یہ آسانی سے منزلیں طے کرتا ہوا اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاوے گا۔ البتہ کسی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ ملک کا صدر یا وزیر ہے۔ پھر یہ ہو گا کہ جس وقت یہ سفر کرے گا تو حکومت خود ہی اس کا انتظام کرے گی کہ جس سڑک سے صدر یا وزیر کی کار یا سواری گزرنے والی ہے۔ اس پر پولیس یا فوج مقرر کر دے گی کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک

سڑک پر کوئی نہیں گزر سکتا۔ اور سڑک پر دونوں جانب پہرے لگا دئے جاویں گے۔ اور جہاں سے وہ سڑک شروع ہو گی وہاں خود پولیس کا افسر معہ چند پولیس کے نوجوانوں کے کھڑا ہو جاوے گا تاکہ ادھر کوئی سواری رخ بھی نہ کر سکے۔ اور چاہے کسی بڑے سے بڑے آدمی کی سواری وہاں سے گزرنا چاہے لیکن یہ افسر اسے وہاں ہی ٹھیراوے گا اگر وہ یوں کہے کہ میرے منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ صرف یہ یہی ہے دوسری سڑک ایسی نہیں کہ میں چکر کاٹ کر بھی جا سکوں۔ تو افسر کہے گا کہ اگر یہ بات ہے تو کار کو ایک طرف کھڑا کرے اور انتظار کر کے صدر صاحب گزر جائیں اس وقت تک یہ سڑک ریزرد ہے۔ اور کسی کو یہاں سے گزرنے کی اجازت نہیں۔ اب سڑک کا پورا انتظام ہو گیا کہ درمیان سے بھی کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ ہر جگہ پولیس تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑی ہوئی ہے اور نہ ابتداء یا انتہا کے سروں سے ہی کوئی داخل ہو سکتا ہے کہ وہاں خود افسران متعین ہیں۔ اب صدر صاحب معہ اپنے رفقاء اور احباب کے آرام اور

عافیت کے ساتھ گزریں گے۔ کہ نہ دشمن کا خوف نہ غیر مانوسوں سے واسطہ۔

بس یہ ہی حال اس نمازی کا ہے جو دل میں اللہ کو لانے کی کوشش میں ہے۔ کہ ابتداء میں تمام خیالات اور وساوس سے واسطہ پڑے گا۔ اور ان کی طرف التفات کیئے بغیر اللہ کی طرف لو لگانی پڑے گی۔ لیکن جب یہ اس طرح محنت کرتا ہی رہے گا تو پھر اللہ رب العزت کرم فرمائیں گے اور اپنی رحمت و نصرت کو اس کی طرف نازل فرمادیں گے اور اس کے دل کو اپنے لیے خاص کر لیں گے پھر یہ حال ہو گا۔ کہ جب یہ نماز کی نیت باندھے گا۔ تو نوراً حضوری حاصل ہو جاوے گی۔ اور پھر یہ ہو گا اور اس کا محبوب اس کے ہر جانب فرشتے متعین کر دوں گا جو کسی کو اس کی طرف نہ آنے دیں گے۔ شیاطین تو فرشتوں کو دور سے دیکھتے ہی بھاگ جاویں گے۔ اور اس کے اپنے مشاغل کے خیالات یا بیوی بچوں اور اعزہ کے خیالات بھی اس کے دل میں نہ آسکیں گے چاہے وہ کتنے ہی زور لگادیں کہ ہم تو اس کے ہیں۔ اسی کے نفع کو لے کر

آئے ہیں اس کے علاوہ ہمارا کسی سے تعلق نہیں۔ یہ ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ تو فرشتے کہیں گے۔ یہ اس وقت اپنے مولیٰ سے رازو دنیاز میں مشغول ہے۔ تم ذراانتظار کرو۔ کہ یہ فارغ ہو جاوے۔ پھر تم کو اجازت ہو گی۔ اور اپنی بات کر لینا۔

اس مشق کے بعدِ بندے کو نسبت احسان حاصل ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ دست بہ کار۔ دل بیار اور اسی کو اس حدیث میں ذِکر کیا ہے۔ کہ۔

انَ نعبدوالله فانك تراه الی آخر کہ اپنے مولیٰ کی اسی طرح عبادت کر کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اس نسبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر آدمی چاہے جو کام کرے لیکن غفلت نہیں آتی اور اس کا ہر کام عبادت کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ پھر سونا بھی عبادت والا جاگنا بھی۔ کمانا بھی عبادت اور لینا دینا بھی۔ پھر بادشاہت بھی عبادت اور صدارت بھی یہاں تک کہ بیوی سے صحبت کرنا بھی عبادت مانا جاتا ہے۔ تبلیغ میں تصحیح نیت کا نمبر اسی مقام تک پہونچنے کی محنت کا متقاضی ہے۔

چھٹا نمبر .... تبلیغ

یہ نمبرات جتنے بھی ذکر ہو چکے ہر ہر نمبر اپنی جگہ نہایت ہی اہم اور لابد ہے۔ کہ جس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ چنانچہ کلمہ طیبہ کے بغیر ایمان ہی نہیں بنتا۔ اور نماز کے بغیر اطاعت حق تعالیٰ شانہ اور اتباع نبویؐ نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔ علم کے بغیر دین حق کی معلومات اور دین حق کا راستہ ہی نہیں مل سکتا۔ اور ذکر کے بغیر دل میں نورانیت اور مولیٰ کی طرف یکسوئی اور اطمینان ہی نصیب نہیں ہو سکتا اور اکرام و اخلاق و ایثار اور حقوق کی ادائیگی کے بغیر انسان میں حسن معاشرت اور انسانیت کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اخلاص کے کمال کو حاصل کیئے بغیر اعمال کی قبولیت اور قوت پرواز پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو گویا سارے نمبروں کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی زندگی کو ان کے مطابق بنایا جاوے اور ایک ایک کو اپنے اندر لیا جاوے اور پیدا کیا جاوے۔ لیکن تبلیغ کے بغیر نہ یہ پیدا ہو سکتے ہیں نہ ہی یہ

متعدی ہو سکتے ہیں۔ تبلیغ کا نمبر اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اللہ رب العزت نے صرف اسی کی خاطر نبوت کا شعبہ قائم فرمایا۔ اور ہر زمانے میں اس کا اہتمام فرمایا کہ جس خاندان یا قوم یا ملک میں گمراہی اور بد دینی نے زور پکڑا فوراً اسی قوم میں سے کسی کا انتخاب فرما کر نبوت کے عہدہ سے سرفراز فرکر اسے قوم کی دعوت کے کام پر مامور فرمادیا۔ اور اس کی رہبری اور حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت اپنے ذمہ رکھی تبلیغ کے کام کی رہبری بذریعہ وحی یا الہام فرماتے رہے۔ اور نبی کی ذات کی حفاظت اپنی قدرت یا فرشتوں کے ذریعہ فرماتے رہے۔ یہ ایک بڑی لمبی چوڑی تاریخ ہے۔ جس کا ضروری حصہ کتابوں میں آگیا ہے قرآن پاک میں بھی ضروری ضروری حصوں کو اللہ رب العزت نے ذکر فرمادیا ہے سردار دو جہاں۔ حبیب خدا۔ محسن انسانیت امام الانبیاء محمد الرسول اللہ ﷺ تک تبلیغی کام کا یہ ہی نظام رہا۔ کہ ضرورت کے بقدر وقتاً فوقتاً اللہ رب العزت انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتے رہے۔ اور ان سے انسانوں

کی ہدایت کا کام لیتے رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی لگاتار محنت سے انسانیت ترقی کرتی رہی اور انسان میں عقل و شعور فہم و تدبر بڑھتا رہا۔ اخذ کرنے کی قوت و صلاحیت عروج کو پہونچتی رہی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کی بعثت تک اس قابل بن گئی۔ کہ خود اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ اور اپنا راستہ معلوم کر سکے اور نفع نقصان میں تمیز کر سکے۔ اب انسانیت نبی کی محتاج نہیں رہی بلکہ کار نبوت کو انجام دینے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو چکی۔ اب یہ داعی کی محتاج نہیں رہی بلکہ دعوت کی تربیت حاصل کرنے کی استعداد اس میں پیدا ہو چکی۔ باپ اپنے لڑکے کو مکتب میں داخل کرتا ہے۔ جب بچہ قاعدہ بغدادی ختم کر لیتا ہے تو باپ اور استاد دونوں کو امید ہو جاتی ہے کہ اب یہ عم کا پارہ شروع کرنے کے قابل ہو گیا۔ جب عم کا پارہ ختم کر لیتا ہے تو پارہ آلم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جب قرآن پاک پورا کر لیتا ہے تو تعلیم کی ابتدائی کتابوں کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہر درجہ کے

بعد دوسرے درجہ کی استعداد پیا ہوتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ دورہ کے درجۂ سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اب خود بچہ بھی سوچتا ہے اب کیا کرنا ہے۔ افتاء میں داخلہ لوں یا ادب میں۔ فقہ حاصل کروں یا علم التفسیر۔ ادھر بچہ کا ذہن سوچ بچار کے قابل بنا۔ تو ادھر باپ کو بھی آگے بڑھانے اور فضل بنانے کا داعیہ پیدا ہوا ادھر استادوں کو بھی امید بندھی۔ اور جیسی استعداد دیکھی ویسا مشورہ استادوں نے دیا۔

بعینہ اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام سے ہی انسانی تربیت شروع کی اور پھر ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرماتے رہے اور تربیت کراتے۔ یہاں تک کہ استادوں (انبیاء علیہم السلام نے خبر یعنی مشورہ دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سراحۃً قرآن پاک میں موجود ہے۔ کہ فرماتے ہیں۔

یٰبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَابَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ

بَعْدِ اسْمُهٗ اَحْمَد (پ ۲۸ س صف)

اے بنی اسرائیل میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں اس سب کی جو مجھ سے پہلے ہو چکا (انبیاء کی تعلیم و تربیت) جس میں تورات اور (ساری کتابیں) بھی شامل ہیں اور خبر دیتا ہوں (مشورہ) اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے۔ اور اس کا نام احمد ہو گا۔

اس آیت پاک میں اللہ رب العزت نے اپنی طرف سے ہدایت والی تربیت کے نظام کی دلیل پیش کی ہے۔ کہ اے انسانوں تمہاری ہدایت کے استاد تمہاری استعداد و صلاحیت کی تصدیق کر رہے ہیں کہ اب تک کے استادوں نے جو محنت تم پر کی وہ حق تھی۔ اور میں بھی ان کی ایک کڑی ہوں لیکن میں اس کی خبر دینے آیا ہوں کہ اب تم کو تربیت دینے کے لیے اب تک کے تمام استادوں کا سردار اور افضل و اعلیٰ اور ماہر استاد آنے والا ہے۔

اب تم چھوٹے چھوٹے استادوں کے محتاج نہیں رہے۔ بلکہ اب تم کو آگے بڑھنا ہے۔ اور اپنا کام کرنا سیکھنا ہے۔ جس کو آنے والا استاد سکھائے گا۔ تم اس کی ماننا اور اطاعت کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی بعض نبیوں نے حضور ﷺ کی بعثت کی خبر دی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ڈھائی سال دئے گئے۔ جو صرف اطلاع اور خبر دار کرنے کے لیے کافی تھے ان کی ذمہ داری یہ ہی تھی۔ کہ وہ آگاہ کر دیں۔ کہ صرف ذاتی تربیت مکمل ہو چکی اب تو تربیت کرنا سیکھنا ہے۔ ڈھائی سال آواز لگانے کے بعد اللہ رب العزت نے آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور آپ وہاں زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لا کر اپنا بقیہ کام حضور ﷺ کا نائب بن کر انجام دیں گے۔

جب حضور ﷺ تشریف لائے۔ تو آپ کے لیے ایک ایسے خطہ کو تجویز کیا گیا۔ جو سارے خطوں سے ہر اعتبار سے پیچھے۔ اور گھٹیا تھا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ عقلمند انسانوں اور ترقی یافتہ قوموں اور ملکوں کو سمجھانا تھا۔ کہ جس خطہ کو تم

پست سمجھتے ہو۔ اس میں آباد ہونے والوں کی صلاحیت واستعداد کا حال اور اندازہ دیکھ لو۔ اور پھر اس خطہ والوں سے زیادہ سمجھدار اور ترقی یافتہ انسانوں کی استعداد کا اندازہ کر لو۔ کہ جب ان کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا۔ جب یہ اس قابل ہیں۔ تو دوسرے کتنے قابل ہوں گے۔ جب یہ اتنا کر سکتے ہیں تو دوسرے کتنا کر سکیں گے۔ جب یہ اس قدر ترقی اور کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو دوسرے کسی قدر حاصل کر سکیں گے۔

سمجھ دار استاد گھٹیا کا امتحان لیتا ہے اور دوسروں کا اس سے اندازہ لگاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کو سمجھانے کے لیے ان کی اپنی نظر میں جو گھٹیا اور پست تھے۔ ان سے کام شروع کرایا اور ان کی استعدادوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کر کے دوسروں کو بتایا کہ تم اپنے کو جانچو اور ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کر کے آگے بڑھو۔ اور کام کرو۔ تاکہ اپنا مقام حاصل کر سکو۔ بہر حال یہ ایک نکتہ تھا۔ جس کو مختصر الفاظ میں سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔

اس سے اتنا اندازہ آگیا کہ اب تک کے نبیوں کا کام تھا تبلیغ کرنا۔ اور حضور ﷺ کا کام تھا مبلغ بنانا۔ جس طرح اللہ رب العزت نے آپ کو درجات کے اعتبار سے فضیلت مرحمت فرمائی اسی طرح کام بھی افضل اور اعلیٰ رحمت فرمایا۔ اور یہ بات واضح اور صاف ہے کہ بڑوں سے چھوٹا کام نہیں لیا جاتا۔ اس لیے آپ صرف ایمان و نماز اور نیک اعمال ہی سکھانے نہیں آئے بلکہ ان کو بھی سکھایا اور اصل یہ کہ ان کی دعوت و تبلیغ سکھانی مقصود تھی اس لیے ابتداء بھی تبلیغ ودعوت سے ہی کی سارے انبیاء علیہم السلام کے کام کی ابتداء ایمان و نماز سے ہوئی۔ اور آپ کے کام کی ابتداء ایمان ودعوت تبلیغ سے ہوئی۔ اور نماز جو سارے اعمال میں سب سے افضل اور اعلیٰ عمل ہے اور احکامات میں سب سے بڑا حکم ہے۔ وہ بھی دس سال کے بعد امت کو عطا کیا گیا۔ آپ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ آپ داعی بنانے والے تھے کیونکہ دعوت و تبلیغ دین کی زراعت ہے۔ یہ تو بیج ہے کہ کاشتکاری سے مقصد غلہ اور پھل۔ سبزی وغیرہ

حاصل کرنا ہے۔ لیکن یہ مقصد بغیر زراعت کے تو حاصل نہ ہو گا۔ اسی طرح اگرچہ مقصد ایمان و عمل ۔ علم و ذکر اور جملہ احکامات الیہ کا وجود میں لانا ہی ہے اور اصل یہ ہی ہے۔ لیکن یہ تو سوچا جائے کہ یہ وجود میں کسی طرح آویں گے۔ مدارس اور خانقاہیں اور وعظ و پند اگرچہ سفید اور علم و ذکر اور عبادات کا شوق وذہن پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن کس کے لیے ؟ صرف طالبین کے لیے ہی تو ذریعہ بن سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ طالب ہی نہیں بلکہ دین سے دور اور دین سے غافل۔ بلکہ دین کے دشمن ہیں۔ وہ نہ تو مدارس سے نفع اٹھا سکتے ہیں۔ نہ خانقاہوں میں پہونچ سکتے ہیں۔ نہ کسی وعظ میں آنے کو تیار۔ نہ کسی کی نصیحت سننے کو آمادہ نہ کسی دینی کتاب کو پڑھنا اور سننا گوارا پھر ان کو کھینچنے اور لانے کا کیا ذریعہ ہو گا بس یہ بات ماننی ہی پڑے گی کہ بے طلبوں میں طلب پیا کرنے۔ اور غافلوں کو غفلت سے نکالنے۔ گمراہوں کو ہدایت پر لانے کا ذریعہ تبلیغ و دعوت کے علاوہ کوئی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ ہی اصل مقصد اور اہم کام

قرار دیا گیا۔ اور اسی کی خاطر ان کو مشقتیں...... مصیبتیں جھیلنی اور مار کھانی پڑی۔ اور ان کی اسی محنت سے دین وجود میں آتا تھا۔ ان کی دعوت و تبلیغ سے ہی لوگ ایمان لاتے۔ نماز پر آتے اور زندگی سنوارتے تھے۔ اور جب وہ دنیا سے تشریف لے جاتے تو ان کا دین بھی کمزور ہوتا رہتا اور آخر کار مٹ جاتا۔ دین کا نام باقی رہ جاتا اور دین کی حقیقت جاتی رہتی۔

حضور ﷺ کے ذریعہ اللہ رب العزت نے دین کی بقا کے سبب کو وجود میں لانا تھا۔ کہ نبی کے بغیر دین حق قیامت تک باقی رہ سکے۔ اس لیے پہلے اس سبب کو وجود میں لانے اور ایمان لانے والوں کو اسے سکھانے اور اس کی اہمیت و عظمت دل میں پیدا کرنے کی محنت سے آپ کے کام کی ابتداء کرائی۔ اور بقیہ دین دس سال کی محنت کے بعد آنا شروع ہوا دس سال تک صرف ایمان و دعوت ہی پر محنت کرائی۔ کہ ایمانِ دین کا بیج ہے اور دعوت اس کی زراعت یعنی نش و نما اور پرورش کا ذریعہ ہے۔ پھر اسی بیج میں سے درخت بن کر نماز

نکلے گی اور علم کی بارش اسے سیراب کرے گی۔ اور ذکر کا سورج اس میں نورپاشی کرے گا۔ اور اخلاق کے پتے اسے خوشنما بنائیں گے اور اخلاص کی کھاد اس کو قوت دے کر پروان چڑھائے گی۔ یہاں تک کہ اس میں عدل ۔ حیاء غربا پروری۔ محبت۔ ہمدردی۔ تواضع۔ خدمت وغیرہ وغیرہ کے پھل بن کر لگیں گے۔ اور پھر اس کے گاہک پیدا ہوں گے۔ خریداری شروع ہو گی اور دنیا کی تمام منڈیوں میں اس کی قیمت بڑھ جاوے گی۔

یہ ہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام ایمان اور تبلیغ میں دعوت سے شروع کیا۔ کہ ایمان لاؤ اور اس کی تبلیغ کرو۔ چنانچہ جو بھی ایمان لاتا وہ ایمان کا داعی بن کر نکلتا۔ دس سال مسلسل صرف یہ ہی محنت جاری رہی۔ اس کے بعد پہلا حکم نماز کا آیا۔ اور پھر احکامات کا سلسلہ شروع ہو کر صرف تیرہ سال کی مدت میں دین کو مکمل کر دیا گیا اور آخری حج میں اعلان ہو گیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الاِسْلَامَ دِیْناً

اے (امت محمدیہ) آج کے دن تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔ اور اللہ کے خزانوں میں جو اعلیٰ نعمت تھی وہ تم کو پوری پوری پہنچا دی گئی۔ اور یہ بھی سن لو کہ میں (صرف) دین اسلام سے ہی راضی ہوں۔

یہ تھا اللہ کا اعلان۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان سنئے۔

اَلاھَلْ بَلَّغْتُ الاھَلْ بَلَّغْتُ اَلاھَلْ بَلَّغْتُ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہ.

کیا میں نے تم کو دین پہنچا دیا۔ ہاں یا رسول اللہ کیا میں نے تم کو دین پہنچا دیا۔ ہاں یا رسول اللہ کیا میں نے تم کو دین پہنچا دیا۔ ہاں یا رسول اللہ

پھر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ. ثُمَّ قَالَ فَلْیُبَلِغِ الشَّاھِدُ الْغائب

یا اللہ تو گواہ رہ یا اللہ تو گواہ رہ یا اللہ تو گواہ رہ

پھر فرمایا۔ حاضر غائب کو پہنچا دیں۔

اس مذکورہ ہیئت پر غور فرمائیں۔ کہ جب اللہ نے یہ اعلان کر دیا کہ آج تمہارا دین مکمل ہو گا تو حضور ﷺ کو اپنی ذمہ داری کا فکر ہوا۔ اور فوراً امت کو مخاطب فرما کر تین مرتبہ سوال کیا۔ اور امت ہر دفعہ اقرار میں جواب دیتی رہی۔ پھر اللہ کو گواہ بنایا اے اللہ آپ بھی گواہ رہیں کہ جن پر میں نے محنت کی ہے وہ اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے آپ کا سارا دین ان تک پہنچا دیا ہے اس سب کے بعد امت کو آئندہ کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ جہاں میں نے تم کو دین پہنچایا ہے۔ ساتھ ساتھ دین کا دوسروں تک پہنچانا بھی پہنچایا ہے۔ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ دین اور اس کے پہنچانے کے طریقوں کو دوسروں تک پہنچاتے رہو۔

اور سنئے۔ آقا صلے اللہ علیہ وسلم اور کیا فرماتے ہیں؟

اَصْحَابِیْ کَا نُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

کہ میرے صحابہ کی مثال ستاروں کی سی ہے جو ان کی اقتداء کریں گے وہ ہدایت پائیں گے۔

اب ان سارے فرمانات کا جوڑ لگا کر دیکھیں۔ تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سارے طریقوں میں کامیاب طریقہ زندگی صرف دین اسلام ہے۔ اور اسلام وہ ہے جس کو اللہ رب العزت نے انسانوں کی کامیابی کی خاطر تجویز فرما کر حضور ﷺ کی ذریعہ عطا فرمایا ہے۔ اور حضور ﷺ سے براہ راست اسلام کو سیکھنے والی امت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ اور آئندہ قیامت تک کے لئے حضور ﷺ والے دین پر عمل کرنے کا نمونہ خود آپ نے ہی اسی جماعت کو قرار دے کر ان کی اتباع کو طے کر دیا ہے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغ ودعوت میں گزرا ہے۔ فیصلہ خود کر لیں کہ اب کون سی چیز اہم ہے، اور کون سا عمل مقدم ہے۔ اور پھر سوچیں کہ تبلیغ کے نمبروں میں چھٹے نمبر "تبلیغ" کی کیا حیثیت ہے۔ اور جو حضرات تفریغ وقت کو نمبر قرار دیتے ہیں۔ وہ کس بناء پر دے رہے ہیں۔

بندہ نے حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بار بار خود سنا ہے کہ آپ چھٹا نمبر تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔

اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے ایک دفعہ تقریباً ایک ماہ تک یا کچھ کم و بیش پرانوں کو جوڑ کر چھ نمبروں کا مذاکرہ کرایا تھا۔ اور خود بھی اس میں شریک رہتے تھے۔ اور اللہ رب العزت نے بندہ کو بھی اس موقعہ پر نظام الدین میں قیام کی توفیق مرحمت فرمادی تھی۔ اور اس میں چھ نمبروں کے دورخ بھی مذاکرہ میں بیان کئے جاتے تھے بندہ بھی آخر میں چھ نمبروں کے دوسرے رخ کو لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انشاء اللہ اس مذاکرہ میں بھی چھ نمبروں میں چھٹا نمبر تبلیغ ہی بیان کیا جاتا تھا۔ پھر ایک موقع پر حضرت مولانا اور یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھائی عبدالوہاب رائے ونڈ اور قریشی صاحب پنڈی۔ اور بھی چند پرانے ذمہ داروں نے دریافت کیا کہ۔ حضرت چھٹا نمبر تبلیغ ہے یا تفریغ وقت یا نفر فی سبیل اللہ۔ کیوں کہ بعض علاقوں میں نفر فی سبیل اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس پر پہلے حضرت نے ایک جامع اور مختصر تقریر فرمائی جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ کی عادت شریفہ تھی۔ اور پھر فرمایا کہ بھائی کام کرنا ہے۔ چھٹا نمبر اگرچہ تبلیغ ہے لیکن

اس کو نزاع (جھگڑے) کی چیز نہیں بنانا۔ جو تفریغ اوقات کہتے ہیں۔ کرتے وہ بھی تبلیغ ہی ہیں۔ اور جو نفر فی سبیل اللہ کہتے ہیں وہ بھی تبلیغ ہی کرتے ہیں۔ صرف الفاظ کا پھیر ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نفر فی سبیل اللہ یا تفریغ اوقات نمبر نہیں بلکہ یہ اسلام کا ایک مستقل شعبہ ہے اور قرآن پاک واحادیث میں اس کی مستقل آیات اور احادیث ہیں۔ نفر کا وقت کبھی کبھار آتا ہے۔ اور تبلیغ تو ہر وقت کا کام ہے۔ مثلاً تبلیغ میں تفریغ اوقات یا نفر فی سبیل اللہ کے لیے ساری عمر میں تین چلے۔ سال میں ایک چلہ اور ماہانہ تین یوم رکھے گئے۔ کیا اس کے علاوہ کے دنوں میں تبلیغ نہیں کرتی؟۔ اور تبلیغ خود اپنی ذات کے اعتبار سے نیکی ہے اور نکلنا اپنی ذات سے نیکی نہیں بلکہ نیکی کی نسبت پر نکلنے سے نیکی بنے گا اور تبلیغ کے سارے نمبر ایسے ہیں کہ وہ خود اپنی ذات سے ہی نیکی ہیں۔ ان کی نسبت پر نکلنے کے اجر وثواب بھی بے حد وشمار ہیں کہ ایک ایک قدم پر کبھی ساتھ سو کبھی سات ہزار اور کبھی ستر ہزار اور کبھی سات لاکھ یہاں تک کہ اس سے

بھی زیادہ اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور چھٹا نمبر یعنی تبلیغ تو سب کی روح رواں اور سبب اشاعت اور غذا ہے بس اس سے ثابت ہو گیا کہ چھٹا نمبر تفریغ وقت نہیں بلکہ تبلیغ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نکلنے کے بغیر ان کی مشق و اشاعت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ کہا جاوے گا کہ ان چھ باتوں کو سیکھنے اور پھیلانے کے لیے وقت فارغ کیا جاوے۔

تبلیغ کی اہمیت اور تاکید اور فضیلت

قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دِعَا اِلی اللہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف لوگوں کو بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبردار میں سے ہوں۔

فائدہ :۔ اس آیت پاک میں خود اللہ رب العزت فرما رہے ہیں کہ اللہ کی طرف دعوت دینے سے بہتر کسی کی بات نہیں ہو سکتی اور دعوت کے بارے میں پہلے آچکا کہ اس سے

مراد دین کی بات پہونچانے میں محنت کرنا اور اس قدر سمجھانا کہ سننے والا عامل بن جائے۔ یعنی داعی کی نیت اور ارادہ یہ ہو۔ اور اس کی خاطر اسے جتنی بھی شکلیں اختیار کرنی پڑیں۔ ان کو کرتا ہے۔ مثلاً جا کر سمجھانا۔ بلا کر سمجھانا کھلا کر سمجھانا۔ پلا کر سمجھانا۔ خوشامد درآمد۔ تواضع۔ انکساری۔ اور اس میں یہ بھی داخل ہے۔ کہ اس کی طرف سے جو سختی یا ناگواری پیش آوے اس کی طرف التفات نہ کرنا بلکہ اسے جھیلتے رہنا۔

وقال اللہ تعالیٰ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

(اے محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں بصیرت کے ساتھ۔ میرا مقصد تو یہ ہے ہی لیکن میری اتباع کرنے والوں کا مقصد یہ ہی ہوگا۔

(فائدہ) اس آیت شریف میں اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اعلان کردو۔ کہ میرا مقصد حیات ہی

یہ ہے کہ۔ میں لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دوں۔ اور یہ کام میں اندھادھند نہیں کرتا بلکہ مجھے اس میں بصیرت کاملہ حاصل ہے۔ کہ جو میری بات مانے گا اور خدا کے حکموں پر عمل کرے گا وہ ہی کامیاب ہو گا۔ اس کے علاوہ سب ناکام ہوں گے۔ اور آگے اعلان کراتے ہیں کہ یہ بھی کہہ دو کہ میرا کام تو یہ ہے ہی۔ لیکن میری پوری امت کا مقصد حیات بھی یہ ہی ہو گا کہ وہ میرے والے کام کو میرے والے نہج پر انجام دیتی رہے۔

قال رسول اللہ ﷺ بلغوا عنی ولا آیة قال رسول اللہ فلیبلغ الشاهد الغائب

اگر میری ایک بات بھی تم کو معلوم ہے تو اسے دوسروں تک پہنچادو۔ ہر حاضر کا کام ہے کہ غائب کو پہنچادے۔

اس بارے میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہؐ کافی تعداد میں موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پر ان چند پر اکتفا کی جاتی ہے کہ ماننے والوں کے لیے ایک بھی کافی ہے اور نہ ماننے والوں

کے دفتر بھی بھر دیئے جاویں تو بے سود اور بے کار ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "الدین النصیحة" دین ہے ہی نصیحت اور نصیحت سمجھانے بجھانے کو کہتے ہیں۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے لان یھدی اللہ بکم رجلا واحدا خیرا من الدنیا وما فیھا کہ اگر اللہ رب العزت تیرے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت پر لے آئے تو تیرے لیے دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ جس کی تشریح میں بعض شراح نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جتنی قسم کی عبادات بھی دنیا میں کوئی بندہ کر رہا ہے۔ یہ ان ساری عبادات سے افضل ہے۔ کیونکہ دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ یعنی کچھ بھی نہیں۔ پھر ایسی بے قیمت اور بے حیثیت چیز سے مقابلہ ہی کیا کیا جائے اور عبادات میں معمولی عبادت بھی اللہ کے ہاں ایک مقام اور درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اس حدیث پاک میں ہدایات کا مقابلہ دنیا کی چیزوں سے نہیں کیا۔ بلکہ عبادات سے کیا ہے۔

تبلیغ کے شرائط :۔

یوں تو ہر کام کے کچھ شرائط ہوتے ہیں۔ لیکن جتنا زیادہ اور اعلیٰ کام ہوتا ہے اس کے شرائط بھی اس قدر اہم اور عظیم ہوتے ہیں۔ تبلیغ میں بنیادی طور سے چار شرائط ہیں۔

پہلی شرط...... مقصد بنا کر کرنا

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آدمی کی فطرت ہے کہ جب تک کسی کام کو مقصد نہیں بناتا۔ اس وقت تک اس میں پوری طرح سوچ بچار۔ اور اس کی فکر بھی نہیں پیدا ہوتی۔ اور سوچ و فکر ایسی دولت ہے کہ اسی کے ذریعہ کام کی گہرائی تک رسائی ہوتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ اس کے پوشیدہ راز کھلتے ہیں جیسا کہ زمانہ شاہد ہے کہ جتنی آج ترقیات دکھائی دے رہی ہیں یہ سب انسانی سوچ و فکر کا ہی نتیجہ ہے۔ نئی نئی ایجادات کا سرچشمہ یہ ہی سوچ و فکر ہے کہ برسوں سوچ کی جاتی ہے تب کوئی نئی شئے ذہن

میں آتی ہے۔ اور پھر اس کے وجود میں لانے کی صورتیں سوچتے ہیں تو اس کے طریقے ذہن پر کھلتے ہیں یہاں تک کہ سوچنے اور کرتے رہنے سے نتیجہ اور شکل وجود میں آجاتی ہے اس کے بعد اس کے خریدار دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

جب مادی اور فانی اشیاء کا یہ حال ہے کہ اپنے وجود میں سوچ و فکر کا مطالبہ رکھتی ہیں۔ تب کہیں ان کا وجود اور ان کے منافع ظہور میں آتے تو خزانہ غیب کے کرشمے اور منافع بغیر سوچ و فکر کے کیسے کھل سکتے ہیں۔ بس تبلیغ کی پہلی شرط یہ ہی ہے کہ اسے مقصد بتایا جاوے اور پھر اسے سوچا جاوے تب اس کی حقیقت و اہمیت اور ضرورت قلوب پر واضح اور منکشف ہو گی۔ ورنہ نہیں۔

قرآن و حدیث علم کے سمندر ہیں۔ اور سمندر میں موتی بھی ہوتے ہیں اور مچھلیاں بھی۔ موذی جانور بھی ہوتے ہیں۔ اور نفع دینے والے بھی۔ بس جس ارادے سے محنت کرو گے وہ ہی چیز ملے گی۔ اگر قرآن و حدیث کو تبلیغ کی عینک لگا کر

دیکھا جاوے گا تو تبلیغ ہی تبلیغ نظر آوے گی اور یہ سب سے اہم و مقدم نظر آنے لگے گی اور علم کی عینک لگا کر دیکھو گے تو علم نظر آوے گا۔ اور اگر کوئی بے وقوف صرف دنیاوی مقاصد کی عینک سے دیکھے گا تو اسے دنیاوی منافع ہی نظر آنے لگیں گے اس لیے شرط اول یہ ہے کہ تبلیغ کو مقصد بنا دیا جاوے۔

دوسری شرط...... طریقہ محمدیؐ کو اختیار کرنا

جب مقصد بنا لیا۔ تو اب یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے کرنے کے طریقے بھی وہ ہی اختیار کئے جاویں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اختیار کئے اور جن کی تعلیم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔ حضور والے طریقوں میں پہلی بات یہ نظر آئے گی کہ آپ کا طریقہ سیدھا سادا تھا دوسرے یہ کہ اس میں عمومیت تھی۔ کہ چھوٹے بڑے۔ خواص و عوام۔ لکھے پڑھے۔ اور ان پڑھ شہری دیہاتی غرضیکہ تمام طبقات کام میں لگے ہوئے تھے اور ہر ایک نے اسے اپنا مقصد قرار دیا ہوا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہر آدمی اپنے اوپر اپنا مال لگاتا تھا۔ یعنی جان و مال

دونوں کا لگانا ہر ایک کو ضرور ہوتی تھی۔ چوتھے یہ کہ قربانیوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اور ان سب کا یہ مزاج بن گیا تھا۔ جب دعوت کا تقاضا آجاوے تو تمام تقاضوں اور ضرورتوں کو قربان کر کے اسے نقد پورا کرنا ہے۔ چاہے ہمارے ذاتی کام بگڑیں یا بنیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

اول، نقد کرنا :

ادھر کان میں آواز پڑی اور نکل پڑے۔

دوسرے، جان کی قربانی :

جان کا خطرہ دکھائی دیا تو جان دینے کو تیار ہو گئے۔

تیسرے، مال کی قربانی :

اگر مال جاتا دکھائی دیا اس کی پروا نہیں اور جو ہے وہ لگانا پڑا تو اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چوتھے، حال کی قربانی :

حالات سازگار ہوں یا خلاف اس کی پرواہ نہ کرنا بلکہ

تقاضے کو ہر حال میں پورا کرنا۔

پانچویں، بیوی بچوں کی قربانی:

بیوی کا کیا ہوگا۔ بچے کیسے رہیں گے۔ کون ان کی دیکھ بھال کرے گا۔ اس کو نہ دیکھنا بلکہ توکل علی اللہ کہا اور نکل پڑے۔

پانچویں کہ اس کا انتظار نہ کرنا کہ پہلے اپنے تو ہدایت پر آجاویں پھر دوسروں کو دیکھیں گے۔ بلکہ اپنوں کو دوسروں کو سب کو دعوت دیتے رہنا۔ اور قریب بعید ہر جگہ جانے کو تیار رہنا۔

چھٹے یہ کہ اِنْ اجْرِیَ الا عَلٰی رَبُّ الْعَالَمِیْن یعنی اپنے کام اور اپنی محنت کا کسی سے معاوضہ نہیں چاہتے۔ ساتویں امیر کا متعین کرنا اور اس کی اطاعت کرنا۔ آٹھویں دن کو اللہ کے بندوں پر محنت کرنا اور رات کی تنہائی میں اللہ کے سامنے رو رو کر اور بلبلا کر اللہ سے اللہ کے بندوں کی ہدایت مانگنا۔ جس کو جاسوسوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔ رہبان باللیل و فرسان بالنہار کہ وہ دن کو تو گھوڑوں کی پشت پر دکھائی دیتے تھے اور رات کو اپنے مولیٰ کے ساتھ مشغول ملتے تھے۔ نویں تقویٰ ا

سے آراستہ ہونا۔ دسویں اخلاص پر بنیادی چیزیں ہیں۔باقی اس کی تفصیل میں جایا جاوے تو بہت چیزیں مل سکتی ہیں۔

تیسری شرط ہر حال میں کرنا

یعنی چاہے گھر پر ہوں۔یا باہر۔بیمار ہوں یا تندرست۔ تنگی میں ہوں یا فراخی میں۔ اکیلے ہوں جماعت کی صورت میں کام کو ہر حال میں جاری رکھنا ہے۔ چاہے سردی ہو یا گرمی۔ چاہے موسم برسات ہو یا لو کا زمانہ چاہے برفانی ملک میں جانا پڑے یا پہاڑی میں۔ چاہے ریگستان کے علاقے میں کام کرنا پڑے یا گل و گلزار اور شاداب ملک میں۔ ہر حال میں اور ہر جگہ کام کرنا ہے اور کسی حال سے متاثر نہ ہونا۔

چوتھی شرط انتہا تک کرنا :۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ کام کو انتہا تک کرتے رہنا۔یا کام مکمل ہو جاوے اور یا کرتے کرتے جان چلی جاوے۔ اور اس کام کی انتہا یہ ہے کہ یا اللہ کے بندے ہدایت پر آجاویں یا محنت کرتے کرتے موت آجاوے۔ کیونکہ کوئی کام یا شکل اس وقت

تک نفع نہیں دیتی کہ جب تک اس کی محنت ابتداء سے انتہاء تک نہ کی جاوے۔ اس رسالہ میں چونکہ اختصار مقصود ہے اس سے مجملاً چھ نمبروں کو پیش کیا جارہا ہے۔ اگر اس کی تشریح کی جاوے عالم تو پتہ نہیں کتنا کچھ لکھ سکیں گے لیکن ایک ایک نمبر پر ایک رسالہ تو مجھ جیسا ناسمجھ اور جاہل بھی لکھ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ خیر الکلام ما قل ودل۔ اللہ رب العزت ان پر عمل کی مجھ گناہ گار اور نااہل کو بھی توفیق عطا فرمادے اور سارے مسلمانوں بلکہ پورے انسانوں کو ہدایت والی محنت میں لگنے اور ہدایت پر آنے کا ذریعہ بھی فرمادے آمین یارب العالمین۔

آخر میں ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہ چھ نمبر ہدایت پر آنے اور لانے کا ذریعہ ہیں لیکن اس ہدایت کے نسخہ کے ساتھ ایک پرہیز بھی ضروری ہے۔ کہ ہر نسخہ اسی وقت نفع دیتا ہے جبکہ حکیم نے جو پرہیز بتایا ہے۔ اس کے مطابق نقصان دہ چیزوں سے بچارہے گا۔ ورنہ سارا نسخہ بیکار اور

سارے پیسے ضائع ہو جاتے ہیں۔ بس اس مذکورہ نسخہ کے ساتھ ایک پرہیز بھی رکھا گیا ہے اور وہ ہے "لایعنی" سے بچنا۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِى

یعنی اسلام کا حسن لایعنی کو ترک کرنا ہے

اور قرآن پاک میں بھی اللہ رب العزت کا ارشاد مذکور ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

پہلے سے مضمون کا سلسلہ ہے جس کے آخر میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں اور وہ مومن یقیناً کامیاب ہوں گے جو بیکار کاموں سے اعراض کرتے ہیں۔

حضرت لقمان حکیم سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس مرتبہ کو کیسے پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ سچ بولنے۔ امانت ادا کرتے اور لایعنی سے بچنے کی وجہ سے۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کا انتقال ہو گیا۔ صحابہؓ نے اس کی تعریف کرنی شروع کی اور اس کو جنت کی بشارت دینے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو جنت

کی بشارت دے رہے ہو کیا خبر ہے کہ اس نے کوئی لایعنی کی ہو اور وہ اسے جہنم میں پہنچادے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت آپس میں بیٹھی ہنسی مذاق کی باتیں کر رہی تھی۔ اور کھل کھلا کر ہنس رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے دانت بھی دکھائی دے رہے تھے۔ کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم موت کو کثرت سے یاد کرو تو یہ حالت پیدا نہ ہو جو میں دیکھ رہا ہوں پس موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ کیونکہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ وہ یہ اعلان نہ کرتی ہو کہ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں مٹی کا گھر ہوں۔ میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ اور جب کوئی مومن مرد یا عورت اس میں رکھا جاتا ہے۔ تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہو اس کے بعد وہ جہاں تک مردہ کی نظر پہونچے چوڑ جاتی ہے۔ اور اگر کوئی بد کردار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا بہت ہی برا ہے۔ اور مجھے تجھ سے انتہائی نفرت تھی۔ اس کے بعد وہ اس کو اس قدر دباتی ہے کہ اس کی

پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔

بس ہم کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اور سارے ناجائز کاموں سے سختی کے ساتھ بچنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ بیکار اور فضول کام کہ جن سے نہ دنیا کا فائدہ نہ آخرت کا۔ اور آج انسان میں اتنا بگاڑ آچکا ہے کہ تفریح کا نام رکھ کر ایسے ایسے کھیل کر گزرتے ہیں کہ الحفیظ الامان۔ کہ ان سے زندگی برباد اور خون پسینہ سے کمایا ہوا مال ضائع ہو رہا ہے۔ لیکن جب دل ہی اندھا ہو گیا تو پھر کیسے پہنچانا جا سکتا ہے کہ بھلا کیا ہے اور برا کیا۔ نفع کس میں ہے اور نقصان کس میں۔ اس لیے تبلیغ میں وقت لگاتے رہیں۔ اور لایعنی تک بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور اللہ سے دعا مانگتے رہیں کہ اللہ رب العزت ہم سب کی تمام ناجائز کاموں اور باتوں سے حفاظت فرمادے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

ترک لایعنی

تبلیغی تحریک کے بنیادی اصولوں میں سے چھ نمبر نہایت ہی اہم ہیں اور یہ کام کی اساس درجہ رکھتے ہیں۔ امت کی موجودہ تنزلی کے علاج کے نسخہ کا مقام رکھتے ہیں۔ لیکن نسخہ کے ساتھ ہی حکیم یا ڈاکٹر پرہیز بھی بتلاتے ہیں۔ بس تبلیغی چھ نمبروں کی پابندی کرتے ہوئے۔

ایک کام (لایعنی) سے بچنا ہے۔ اس کو بعض لوگوں نے ساتواں نمبر لکھا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کو کہتے ہوئے بھی سنا ہے۔ لیکن یہ نمبر نہیں بلکہ پرہیز ہے۔ یعنی چھ کاموں کو کرنا اور ایک سے بچنا حدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے :۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْه

اسلام کی خوبیوں میں سے، بڑی خوبی یہ ہے کہ لایعنی کو ترک کیا جاوے۔

اس لیے کام کرنے والے حضرات اس کا بہت ہی خیال رکھیں کہ گناہ تو در کنار لایعنی بھی نہ ہونے پاوے۔ لایعنی بیکار اور فضول کام اور باتوں کو کہتے ہیں۔

چھ نمبروں کا دوسرا رخ

یہ پہلے بیان ہو چکا کہ یہ چھ باتیں زمانہ حال کے امراض کا علاج ہیں۔ کہ انسان کی سب سے خطرناک بیماری بد دینی۔ بد کرداری۔ بد خلقی اور خواہشات نفسانی کے امراض ہیں جب انسان اپنے بنائے ہوئے طریقوں پر زندگی گزارنے لگے اور جو جی میں آجاوے اسی پر عمل کرنے لگے اور خالق و مالک کو بھول جاوے موت کے بعد زندہ ہونے۔ کا یقین دل سے نکل جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول یعنی پیغمبر کی اتباع کو چھوڑ دے۔ تو یہ دنیا مصائب کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ اور نت نئے امراض جسمانیہ قلبی پریشانیاں۔ پیدا ہونے لگتی ہیں۔ بدامنی۔ خونریزی عام ہو جاتی ہے، بے حیائی۔ عصمت فروشی اور عصمت دری فیشن بن جاتی ہے۔

جب دنیا میں ایسے حالات بن جاتے ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی کریم ذات کی رحمت و شفقت اور اپنے بندوں کی محبت جوش میں آتی ہے۔ تو اللہ رب العزت انسانوں میں سے کسی محبوب بندے کو منتخب فرما کر اس زمانے کے امراض کے علاج کا طریقہ اس کو مرحمت فرماتے ہیں۔ اور مرحمت فرمانے کی شکل صرف ان کی اپنی قدرت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی عطا فرماتے تھے اور اس زمانہ میں یہ کہ اپنی قدرت سے اس بندے کے دل میں ان طریقوں کو ڈالیں۔ اور منکشف فرما دیں یا بذریعہ الہام عطا فرما دیں۔ یا بذریعہ منام (خواب) اس کو بتلا دیں۔ بہر حال عطا فرمانے کی شکل کو کوئی انسان نہ طے کر سکتا ہے نہ ہی رائے زنی کر سکتا ہے۔ نہ کسی کی شخصیت اور رائے زنی کو اس میں دخل ہے۔ یہ تو اللہ رب العزت کا اپنا معاملہ ہے کہ جس سے کام لینا چاہتے ہیں اس کو کام کے طریقے جس شکل سے چاہیں عطا فرما دیں۔

اس زمانے میں جبکہ امراض عام ہو چکے۔ اور خرابیاں

پھیل چکیں۔ اور زندگیوں میں عام بگاڑ آگیا۔ اور انسانیت ان امراض کی وجہ سے بلایا اور مصیبتوں کا شکار بن چکی...... تو اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل اور اپنی حکمت سے حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا اور ان پر ایسے اصول اور طریقے منکشف فرمائے۔ کہ جو سراسر قرآن وحدیث کے مطابق ہیں۔ اور ایسے محکم ہیں کہ ان کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے مدلل ہیں کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا البتہ ڈھٹائی کا علاج کچھ بھی نہیں کہ ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوئے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہ بخشا اور ان کی بھی نہ مانی تو یہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی کھوتے ہیں اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوائی کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ خسر الدنیا والآخرہ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

ان طریقوں اور اصولوں میں بنادی چیز یہ ہی چھ نمبر ہیں۔ جن کا ایک رخ بیان ہو چکا۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ ہر عمل میں چھ نمبر پیدا کئے جاویں۔ کہ یہ نمبر ایک طرف زندگی کو صحیح

بنانے کی بنیاد ہیں۔ تو دوسری طرف یہ اعمال کو جانچنے اور تولنے کی ترازو بھی ہیں۔ کہ ہر آدمی اپنے عمل کو پرکھ لے کہ یہ میرا عمل کس درجہ کا ہے یعنی مکمل ہے۔ یا نا مکمل۔ ناقص ہے یا کامل اس کو چھ نمبر بتائیں گے۔ چاہے وہ اعمال عبادات سے متعلق ہوں۔ یا معاشرت سے۔ اور چاہے معاشیات سے متعلق ہوں یا معاملات سے۔ چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی۔ چاہے وہ حاکمیت کے ہوں یا محکومیت کے۔ سب لائینوں کے اعمال کو پرکھنے کی یہ بہترین ترازو ہے۔ یہاں تک کہ آنکھ کے دیکھنے میں یہ چھ نمبر پیدا ہو جاویں۔ کان کے سننے میں یہ چھ نمبر پیدا ہو جاویں۔ زبان سے بولنے منھ سے کھانے ہاتھوں سے پکڑنے۔ پیروں سے چلنے دماغ سے سوچنے ان سارے اعضاء کے استعمال میں یہ چھ نمبر پیدا ہو جاویں۔ کہ کلمہ والے یقین۔ نماز والی شکل۔ علم والے طریقہ ذکر و اولادھیان اکرام والے برتاؤ۔ اخلاص والی نیت ۔ تبلیغ والے واعیہ کے ساتھ جسم کا ایک ایک حصہ استعمال ہونے لگے۔ اور اسی طرح تجارت۔ زراعت وغیرہ اور

کھانا پینا۔ لینا۔ دینا۔ پاخانہ۔ پیشاب سب کے اندر یہ چھ باتیں پیدا ہو جاویں۔ تو انسان کے سارے اعمال۔ اور سارے امور اعلیٰ دین بن جاویں گے اور جس عمل میں جتنی ان نمبروں کی کمی ہو گی اسی کے بقدر وہ عمل دین کے اعتبار سے بھی خام اور کمزور سمجھاوے گا۔ اب میں چند مثال دے کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

پہلی مثال :۔

بدن میں سب سے زیادہ استعمال زبان کا ہوتا ہے۔ اس لیے اسی میں چھ نمبر پیدا کر کے بتاتا ہوں۔

اول نمبر کلمہ ہے۔ زبان سے جب بولیں اور جو کچھ بولیں وہ کلمہ والے یقین کے ساتھ بولیں کہ اللہ سے ہوتا ہے غیر سے نہیں ہوتا۔ حضور کے طریقے میں کامیابی ہے۔ دوسرے طریقوں میں کامیابی نہیں۔ یعنی میرا بول اللہ کی رضاء کے مطابق ہو گا تو اللہ کی مدد میرے ساتھ ہو گی اور میں حضور ﷺ والے نہج پر زبان کو استعمال کروں گا تو زبان کا بولنا

مفید اور باعث کامیابی و کامرانی ہوگا۔

دوسرا نمبر نماز ہے۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا کہ نماز اس صفت کا نام ہے کہ اپنے جسم کو اللہ کے حکم پر حضورؐ کے طریقے سے استعمال کر کے دکھانا۔ یا استعمال کرنے کی مشق کرنا۔ بس زبان کی نماز یہ ہے کہ زبان کے بول اللہ کی منشاء اور حضورؐ کی اتباع میں ہونے لگیں۔

تیسرا نمبر علم و ذکر ہے۔ علم ہر موقعہ اور ہر بول کے بارے میں بتائے گا کہ اس وقت کون سی بات کی جاوے اور کس طرح کی جاوے۔ اور ذکر اس وقت میں اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر بولنے اور بات کرنے کی کیفیت کو کہتے ہیں۔

چوتھا نمبر اکرام ہے۔ کہ زبان کا بول ایسا ہو کہ کس کا دل نہ دکھے۔ اور کام بن جاوے۔

پانچوں نمبر اخلاص ہے۔ کہ میں اس سب کی پابندی اللہ کی رضاء کے لیے کر رہا ہوں۔

چھٹا نمبر تبلیغ ہے۔ وہ یہ کہ دوسروں کو بھی اسی طرح

زبان استعمال کرنے کی ترغیب دیتے رہیں کہ "الدین نصیحہ" یہ ہی ہے۔

ایک پرہیز ہے۔ لایعنی سے بچنا۔ اپنی زبان سے بیکار اور فضول بات نہ کرے۔ جس قدر ضرورت ہو اسی قدر کلام کرنا۔

دوسری مثال۔ کمائی کے بارے میں۔ کہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ کمائی کے بغیر کیسے کام چلے گا۔ جب یہ ضروری ہی ہے۔ جیسا کہ آج کل سمجھا جارہا ہے۔ تو دین اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ضرور کمایا جائے۔ لیکن کمانے سے مقصد اگر نفع اٹھانا ہے۔ تو اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس میں چھ نمبر پیدا کئے جاویں۔ کہ دارین کا نفع حاصل ہو۔ اور نقصان سے حفاظت ہو جاوے۔ اب اس کی ترکیب یہ ہے کہ۔

اول نمبر کلمہ طیبہ ہے: یعنی کلمہ والے یقین سے کمانا۔ کہ کمائی کی شکلوں میں نفع نہیں۔ بلکہ اللہ کی طرف سے نفع آتا ہے اور حضورؐ والے کمائی کے طریقوں میں کامیابی ہے۔ دوسرے طریقوں میں کامیابی نہیں۔

دوسرا نمبر نماز ہے۔ کہ کمائی شکل میں رہ کر اپنے جسم کو اللہ کی منشاء اور حضورؐ کے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا۔

تیسرا نمبر علم وذکر۔ کمائی والے طریقوں کا علم حاصل کر کے ان کے مطابق کمائی کرنا۔ اور دل بیار دست بکار کی صفت پیدا کرنا کہ دل میں اللہ ہو اور جسم سے کام کر رہے ہوں۔

چوتھا نمبر اکرام ہے۔ گاہکوں اور صاحب معاملہ سے اخلاق اور اکرام کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

پانچواں نمبر اخلاص ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی وجہ سے کرنا۔

چھٹا نمبر تبلیغ۔ ان باتوں کو دوسروں کو بتاتے ہوئے اور سمجھاتے ہوئے کمائی کرنا۔

پرہیز لایعنی سے بچنا ہے:۔ اس میں وہ سب کچھ داخل ہے کہ کمائی کی شکل بھی ایسی ہو کہ جس سے واقعی لوگوں کی ضرورتیں وابستہ ہوں۔ کپڑے کی دوکان یا کارخانہ جوتے کی دوکان یا کارخانہ وغیرہ وغیرہ۔ آج کل جو کھلونے بیکار اور فضول

شکلیں بنانے کے کارخانے یا ان کی خرید و فروخت رائج ہیں۔ اس سے مال تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن خریدنے والے کا کچھ فائدہ نہیں۔ سوائے تھوڑی دیر کے تماشے کے کہ پھر چیز بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے پیسے بھی برباد جاتے ہیں اسی طرح گاہکوں سے بات کرنے اور معاملات کرنے میں بھی فضول گوئی اور اس قسم کی حرکتوں سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح ایسی مجلسوں سے بھی دور رہنا چاہئے۔ جہاں بیکار گفتگوئیں اخباری تبصرے۔ اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہوں۔ اور اسی میں شادی بیاہ کے اخراجات اور رسومات پر مال کا ضائع کرنا وقت کو برباد کرنا سب کچھ داخل ہے۔

نفر فی سبیل اللہ

اسی کو تفریق اوقات کہا جاتا ہے۔ یہ نمبر تو نہیں ہے۔ لیکن اسلام کا بہت ہی اہم اور خاص شعبہ ضرور ہے۔ کیونکہ نمبر تو اسے قرار دیا گیا ہے جو ہر وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن نفر فی سبیل اللہ ہر وقت کا حکم تو نہیں۔ لیکن بوقت ضرورت اس کی

اہمیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ تمام امور سے اہمیت میں بڑھ جاتا ہے اور اس وقت اس میں سستی کرنا۔ یا عذر کرنا تک اللہ کو اور اس کے رسول کو گوارا نہیں۔ ترک کرنا تو بہت ہی خطرناک ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اس کی ترغیب اور اس کے ترک یا سستی پر وعیدیں جگہ جگہ ارشاد فرمائی ہیں۔

ایک جگہ ارشاد باری ہے :۔

اِنْفِرُوْا خِفَافاً وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ۱۰)

نکل جاؤ (اللہ کے راستہ میں) ہلکے اور بھاری جہاد کرو اپنی جان اور اپنے مالوں کے ساتھ اسی میں تمہارے لیے خیر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

فائدہ۔ ان آیات میں اللہ رب العزت تاکید فرما رہے ہیں کہ جس حال میں بھی ہو۔ اسی حال میں نکل جاؤ جب کہ تم کو اللہ کے راستے میں نکلنے کو پکارا جاوے اور اللہ کے دین پر جان بھی لگاؤ اور

مال بھی لگاؤ۔ کہ اس میں تمہاری کامیابی اور بہتری ہے اگر تم میں ذرا بھی عقل اور سمجھ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَالَکُمْ اِذَاقِیْلَ لَکُم انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلا قَلِیْلٌ ٥ اِلا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ٥ (پ ١٠)

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں نکلو تو تم زمین (سے چمٹ جاتے ہو) بوجھل ہو جاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر انتہائی حقیر و قلیل۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلے میں کسی دوسری قوم کو

ایمان دے کر (ان سے اپنا کام لے لے گا) اور تم اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیات میں کس قدر دھمکی دی گئی ہے۔ ذرا غور فرماویں۔ کہ جب نکلنے کی آواز دی جاوے تو نکلنا ہی ضروری ہے۔ اللہ کیسے انداز میں فرما رہے ہیں کہ جیسے باپ بیٹے کو اور ایک مہربان حاکم اپنی رعایا کو کسی موقع کی بات کو سمجھاتا ہے۔ اور خبردار کرتا کہ دیکھو یہ موقعہ ایسا ہے کہ اس وقت تم نے غفلت برتی اور چوک گئے تو بہت بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اور بہت بڑے نفع سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس طرح اللہ رب العزت اپنے بندوں کو آگاہ کر رہے ہیں۔ کہ جب اللہ کے دین کی خاطر باہر نکلنے کی دعوت دی جاوے تو پھر یہ عذر معذرت کیسی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی کا زمین سے چمٹ جانا۔ بس یہ جان لو کہ نکلنے میں ہی خیر و فلاح اور کامیابی ہے۔ کیونکہ تم کو روکنے والی چیز دنیاوی مال متاع اور منافع ہیں۔ تو ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یہ تو بہت ہی کم اور بہت تھوڑے وقت کی

چیزیں ہیں، اور آخرت کی نعمتیں اور کامیابیاں ہمیشہ ہمیشہ کی ہیں۔ بس یہ جان لو اگر تم اب بھی نہ سمجھے تو پھر اللہ کسی دوسری قوم کو ایمان کی دولت عطا فرما کر اپنے دین کا کام ان سے لے لیں گے اور تم اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔

M. Amir

اور ایک جگہ ارشاد باری ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (پ ۱۱)

ایسا کیوں نہ کر لیا جاوے کہ ہر فرقہ اور ہر خاندان میں سے ایک ایک جماعت اللہ کے راستے میں نکل جایا کرے تاکہ ان میں دین کی سمجھ پیدا ہو۔ اور جب واپس آویں تو اپنی قوم و قبیلہ کو بھی ڈراویں (سمجھاویں) تاکہ وہ بھی برُے کاموں سے بچتے رہیں۔

ان آیات میں اللہ رب العزت نکلنے کی ترتیب قائم کرنے کی آسان اور بہترین صورت بیان فرما رہے ہیں۔ کہ

سب اس کو نبھاہ سکیں۔ اور دین کا کام بھی ہوتا رہے۔ اور دنیوی کاروبار بھی چلتے رہیں۔ اور ساتھ ساتھ نکلنے کا فائدہ بیان فرمادیا ہے۔ کہ اس میں تمہارا یہ نفع ہے کہ نکلنے سے دین کی سمجھ پیدا ہوتی ہے۔ جس کو دوسری جگہ "سیر دفی الارض" کے ذریعہ بھی سمجھایا ہے۔ کہ زمین کی سیر وسیاحت کرتے رہا کرو کہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مختلف قوموں اور ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان سے گفتگو کرنے اور اپنی بات پہنچانے کا موقعہ ملتا ہے۔ صحت پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔ خدا کی قدرت کے مناظر دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے جس کی وجہ سے ایمان و یقین میں تقویت پیدا ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اس آیت میں بھی یہ ہی فرمایا کہ نکلنے سے دین کی سمجھ پیدا ہوگی اور پھر آگے ذکر فرمایا کہ واپس آکر کیا کرنا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ گھروں پر رہ گئے اب آکر ان کو سمجھاؤ۔ اور ڈراؤ کہ اے لوگوں اپنے ایمان و عمل کو درست کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اب تم اللہ کے راستہ میں نکلو۔ اگر یہ ہی

ترتیب اور سلسلہ جاری رہے گا تو دنیوی کاروبار بھی چلتے رہیں گے۔ اور دین کا کام بھی ہوتا رہے گا۔ تبلیغ میں اسی کو مقامی کام اور بیرونی نقل و حرکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور حضور ﷺ تو حکم فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا استنفرتم فانفروا[1]

جب تم سے نکلنے کو کہا جاوے تو فوراً نکل جاؤ

غرضیکہ نفر فی سبیل اللہ یا تفریغ اوقات اسلام کا تفریغ شعبہ ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

موقع شناسی و مردم شناسی :۔

موقعہ شناسی و مردم شناسی بھی کام کرنے والوں کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اگر اس کی مہارت اور سمجھ پیدا نہ کی گئی تو کام پر اثر پڑتا ہے۔ اس لیے اس کی مشق کی جاوے کہ کسی موقعہ پر کیا کرنا بہتر ہے اور کس آدمی سے کس طرح ملنا چاہیے اور کیا گفتگو کرنی چاہیے۔

اختلافی مسائل سے اجتناب :۔

مسائل میں اختلاف آج سے نہیں بلکہ ابتداء سے ہی ہے۔ اور اس میں اللہ رب العزت نے بے انتہا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں جن کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ اہل فہم اور اہل علم ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے کبھی بھی اور کسی زمانے میں بھی اعلیٰ علم و فہم والے طبقہ میں جھگڑا نہیں ہوتا۔ عوام ہر زمانہ میں لڑتے اور جھگڑتے رہے ہیں جب خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ تو پھر کسی کو جھگڑنا اور لڑنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے۔

چونکہ تبلیغی کام کے ذریعہ پوری امت کو جوڑنا مقصود ہے اس لیے نکلنے کے زمانے میں خصوصا اور گھر رہ کر بھی اختلافی باتوں میں پڑنا یا چھیڑنا تبلیغ میں روا نہیں ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے اور اگر کوئی چھیڑے بھی تب بھی اس سے کہہ دیا جاوے کہ یہ بیکار چیز ہے بحث مباحثہ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کام کرو کہ یہ کام کا وقت ہے۔

چندہ اور مال کے حصول کی شکلوں سے اجتناب :۔

کام کرنے والوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ چندہ اور مال کے وصول کرنے سے بچتے رہیں کہ آج کے زمانے میں اس میں بہت خرابی آچکی ہے کہ غلط کاروں نے صحیح کام کرنے والوں کو بھی بدنام کر دیا ہے۔ اور عوام اس سے بہت بد ظن ہیں۔ چندہ کا نام سنتے ہی اپنے ذہن میں غلط تصور اور غلط رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ دینی امور کے لیے چندہ کرنا ممنوع نہیں۔ بلکہ بعض کاموں کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور چندہ دینے والوں کے لیے بہت اجر و ثواب بنایا گیا ہے۔ احادیث میں اس کے مستقل فضائل ہیں۔ اور بہت ترغیب دی گئی ہے، لیکن تبلیغ کے ذریعہ دین کے ہر شعبہ اور امت کے ہر فرد کی پوری زندگی کا اصلاح مقصود ہے۔اور مصلح کو ان تمام شکلوں سے بچنا ضروری ہے۔ کہ جن کی وجہ سے اس کی ذات یا اس کے عمل سے بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہوں۔ اس لیے چندہ والی شکل سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے۔

جوش وہوش:۔

جوش انسان کی اس قوت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ انسان کٹھن سے کٹھن منزلوں کو طے کرتا ہے اس لیے اس کا پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اگر جوش میں آکر آدمی اتنا تیز چلنے لگے کہ زمین کی طرف نگاہ ہی کرنا چھوڑ دے۔ تو۔ ایسا مسافر ہر وقت خطرے میں ہے کہ پتہ نہیں کس وقت کس گڑھے میں پاؤں پڑ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے۔ یا کسی سانپ بچھو پر پاؤں پڑ جائے اور وہ ڈس لے۔ یا کسی طرف سے دشمن حملہ کر دے اور اسے قتل کر ڈالے۔ اس لیے چلتے ہوئے ہوش میں رہنا بھی ضروری ہے۔ کہ چوکنا ہو کر چلے۔ اور اوپر نیچے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے کا ہر وقت خیال اور فکر رکھے۔

اور دوسرے یہ کہ اس قدر ہوش کو نہ بڑھا دے کہ بیٹھا بیٹھا خطرات کو ہی سوچتا رہے اور ڈرتا رہے اور بیٹھے بیٹھے جان نکل رہی ہو۔ کہ اسے بزدلی کہتے ہیں۔ اور یہ آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ فرمایا کرتے تھے چلتے رہو اور ڈرتے

رہو۔ بس ان دونوں صفات کا توازن ٹھیک اور کانٹے پر رہنا چاہئے کہ ترازو کا کانٹا صحیح ہے تو وزن بھی صحیح ہو سکے گا اور اگر اسی میں فرق ہے تو یا دینے والے کا نقصان ہو گا یا لینے والے کا نقصان ہو گا۔

بے غرض ہو کر کرنا :۔

اغراض کا مرض ایسا ہے کہ اچھوں اچھوں کی ہمت کو پست کر دیتا ہے بڑے بڑے سور ماؤں کو معمولی لوگوں کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ چنانچہ آج اس مساحرات دن سامنے آتے رہتے ہیں۔ کہ ایک ایک ووٹ حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے وزراء اور صدر غرباء کے گھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ دینِ متین ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کے داعی کا مقام اللہ کے ہاں بہت بلند ہے اس لیے داعی کو تمام اغراض سے پاک ہو کر کام کرنا چاہئے۔

اپنے اوپر اپنا مال خرچ کرنا :۔

داعی کو اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ دوسروں کے پیسے پر نظر نہ ہو اور اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے کہ اس

میں بڑی ذلت ہے اور وقار کو ٹھیس لگتی ہے۔ فاقہ اچھا ہے لیکن کسی کا مال اپنے اوپر خرچ کرنا مناسب نہیں۔ کہ ایسا آدمی کبھی قوت سے بات نہیں کہہ سکتا۔ خصوصا جس کا مال اپنے اوپر لگ گیا۔ اس کے سامنے گردن جھکانی ہی پڑتی ہے۔

ہجرت و نصرت :۔

ہجرت و نصرت اسلام کے بڑے اہم امور میں سے ہیں۔ اور دین کے فارغ اور تعدیہ کے لیے نہایت ضروری اور مفید ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس پر وعدے بھی بہت کچھ کیئے گئے ہیں۔ اور ان کے چھوڑنے یا ان میں سستی کرنے پر وعیدیں بھی بہت ہیں۔

ہجرت گھر چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ ابتداء میں بالکلیہ گھر چھوڑنا فرض قرار دیا گیا تھا۔ کہ واپسی کا خیال ہی نہ آجاوے۔ فتح مکہ کے بعد بالکلیہ ہجرت کرنے کو ختم کر دیا گیا اور بوقت ضرورت ہجرت کرتے رہنے اور واپس آنے کو قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کا جہاد

ہجرت ہے۔ اور جہاد۔ جہد سے ہے جس کے معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ اگرچہ محنت و مشقت مقام پر بھی کرنی ہے۔ لیکن گھر سے نکل کر محنت کرنے کی نوعیت دوسری ہے۔ تبلیغ میں اس کی ترتیب یہ ہے کہ ماہانہ تین یوم قرب وجود میں لگاتے رہنا جس کو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پنجگوس کے نام سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی تفصیل مقامی کام کے ذیل میں آئے گی انشاء اللہ۔ اور سال میں ایک چلہ یعنی چالیس دن متواتر لگانے۔ اور پوری عمر میں ایک دفعہ مسلسل تین چلے یعنی چار ماہ لگانے۔ اس کے بعد ترقی ہے۔ کہ سالانہ تین چلے یا سالانہ چھ ماہ۔ یا سالانہ آٹھ ماہ یہ آخری حد ہے۔

اور نصرت کہتے ہیں اس کو کہ جو لوگ گھروں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں۔ ان کے پیچھے ان کی گھر والوں کے کاموں اور ضرورتوں میں مدد کرنا۔ اور جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے لوگ ان کے ساتھ جڑ کر کام کریں۔ اس کی تفصیل بھی دوسری جگہ کی گئی ہے۔

معروف کی دعوت دینا منکر کو نہ چھیڑنا:۔

تبلیغی محنت یں یہ اصول کہ معروف یعنی نیکی کی طرف بلانا اور منکر یعنی بد اعمالیوں پر روک ٹوک نہ کرنا حکمت بڑی اور مصلحت پر مبنی ہے حضرت جی فرمایا کرتے تھے۔ کہ معروف کی مثال روشنی جیسی ہے۔ اور منکر کی مثال اندھیرے کی اور قاعدہ کلیہ ہے کہ اندھیرے کا علاج روشنی ہے۔ اندھیرا اندھیرا کہنے سے کبھی بھی دور نہ ہوگا چاہے کتنے ہی پکارتے رہو۔ اور اگر ایک موم بتی خاموشی کے ساتھ جلا کر رکھ دو پورے مکان کا اندھیرا دور ہو جائے گا بس دعوت میں بھی یہ خاص گرُ ہے کہ لوگوں کو نیکی کے فضائل بتا بتا کر اس قدر سمجھاؤ کہ اس کے دل میں نیکی کی قیمت و عظمت پیدا ہو جاوے اور وہ اس کا عامل بن جاوے پھر منکرات کو خود ہی چھوڑ دے گا۔ اور جب وہ نیکی کی طرف چل دے گا۔ اور نیکی کا ذہن بن جاوے گا۔ نیکی کی قیمت اس کے دل آجاوے گی تو پھر اگر کوئی بدی کی عادت بھی باقی رہ گئی تو امید تو یہ ہے کہ کسی دن اسے بھی خود ہی چھوڑ دے گا۔

لیکن اگر کسی سے اس کا گہرا تعلق ہو گیا ہے اور وہ اس کی بات قبول کرنے میں اپنا نفع یقین کرنے لگا ہو۔ تو پھر یہ آدمی اس کو ذرا توجہ دلائے گا تو وہ فوراً توبہ کر کے اس برائی کو ترک کر دے گا۔ اور دوسری بات حضرت جیؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بہت سی برائیاں محبوب بن چکی ہیں۔ اور یہ عام بات ہے کہ دوسروں کے نزدیک اس کا محبوب کتنا ہی بد شکل اور بد کردار اور نقصان پہنچانے والا ہو۔ لیکن جس کا وہ محبوب ہے اس کے سامنے اگر اس کی برائی کی گئی تو وہ غصہ ہو جاوے گا اور اگر قدرت وطاقت ہوئی تو مارنے مرنے کو تیار ہو جاوے گا۔ اس وجہ سے داعی کے لیے ضروری ہے ہ دل میں تو برائی کی نفرت پوری پوری رکھے۔ لیکن دعوت کے وقت صرف نیکی کی طرف بلاتا رہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتے رہو کہ یااللہ امت کی اصلاح فرما۔

امت کی بے دینی کا غم اور امت پر شفقت

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ

انسانوں میں انسانوں کے سب سے زیادہ ہمدرد اور یہی

خواہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور ان میں بھی ان کے اور ہمارے سردار حبیب خدا رحمۃ للعالمین محمد الرسول اللہ ﷺ ہیں۔ کہ آپ کے بارے میں خود خداوند قدس فرمارہے ہیں۔ کہ کیا آپ ان نافرمانوں اور کافروں کی بدکرداری۔بددینی۔ ناخداشناسی کے غم میں اپنے کو ہلاک کردیں گے۔ میں نے مثال کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے۔ ورنہ آپ کی صفت کو اللہ رب العزت نے مختلف عنوان سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور آپ کی سیرت اس کے نمونوں سے بھری ہوئی ہے بس داعی کے لیے اس صفت کا پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کا پورا اندازہ۔ اور ظہور اپنے رفقاء کار کے ساتھ رہنے سہنے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان سے ہر وقت سابقہ پڑتا ہے۔ اور ان کی ہر قسم کی بے عنوانیاں بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ امیر کے اخلاق اور شفقت کا امتحان رفقاء کے ساتھ برتاؤ سے ہوتا ہے۔ اگر ہر ساتھی امیر کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے کہ ہمارا امیر ہمارے تمام ساتھیوں سے زیادہ مجھ کو

چاہتے ہیں اور میرے اوپر سب سے زیادہ شفیق و مہربان ہیں تو سمجھو کہ یہ امیر کے اندر یہ مایہ موجود ہے کیونکہ اس کی یہ ہی صفت رفقاء کی کشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور پھر جتنی اس میں کمی ہوگی۔ اسی قدر امیر کے اندر صفت کو کم سمجھا جائے گا۔ اس کا اثر ساتھیوں پر بھی پڑے گا اور کام پر بھی اثر انداز ہوگا۔ اب چونکہ ہر ایک کو کبھی امیر بنایا جاوے گا۔ کبھی وہ مامور ہوگا تو اسلئے اس صفت کو ہر مبلغ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اور اپنے امیر الامراء کے اندر یہ صفت سب سے زیادہ بڑھی ہونی چاہئے۔ کہ وہ ساری امت کے جوڑنے کا ذمہ دار ہے۔

ہم نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اس صفت کا کمال پایا کہ ایک بھی ایسا ساتھی نہیں جس کا دعویٰ یہ نہ ہو کہ حضرت جی مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ یہ تو صرف امیر اور وفقاء کی بات ہے لیکن اس صفت کو اس قدر بڑھایا جاوے کہ ہر بددین سے بددین کے ساتھ بھی ہمدردی اور شفقت پیدا ہو جاوے یہاں تک کہ کافروں۔ یہودیوں عیسائیوں اور سارے

انسانوں کی بے دینی کا غم دل میں آجاوے اور ان کو راہ راست پر لانے کی فکر اپنے اندر پیدا ہو جاوے۔

امیر کا انتخاب اور اس کی اطاعت :۔

امیر کا مسئلہ بھی اسلام میں بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی تفصیل تو لمبی ہے یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جماعتوں کی روانگی سے پہلے امیر کا بنانا ضروری ہے۔ اور اس میں خوب غور و فکر کیا جاوے۔ کہ امیر کا اثر پوری جمات اور اس کے سفر پر پڑتا ہے۔ اور بے امیر کے جماعت ہی نہیں۔ امیر بنانے کے لیے عالم یا لکھا پڑا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس میں سنجید گی۔ سمجھ اخلاق قوت برداشت خدمت کا مادہ اور ہر کس و ناکس کو جوڑنے کی صلاحیت اور کام کا فکر پایا جاوے اس کو امیر بنانا چاہیئے اگر امیر مذکور صفات سے آراستہ ہوگا تو پھر چاہے وہ علم کے اعتبار سے کم ہو۔ یا بالکل بھی نہ ہو تب بھی کام چلالے گا۔ پس امیر کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ جماعت کو دعوت، نماز، علم اور ذکر کی انفرادی و اجتماعی شکلوں میں مشغول رکھے۔ اور ان کی انفرادی

ضرورتوں کا لحاظ بھی کرتا رہے کیونکہ اللہ نے انسان میں مختلف
ضرورتیں اور حاجتیں رکھی ہیں۔ اور جسماتی تقاضے اس کے
ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ان کے پورے کیئے بغیر چارہ نہیں پس
امیر کو چاہئے کہ تمام کاموں کو مشورہ کے ساتھ انجام دے۔ کہ
اس میں برکت بھی ہے۔ اور آپس کے جوڑ کا ذریعہ بھی ہے۔ اور
ساتھیوں میں بشاشت بھی باقی رہتی ہے۔ اور اللہ کی مدد بھی شامل
ہو جاتی ہے۔

اور ساتھیوں کو چاہئے کہ امیر کی اطاعت کریں اس کی
خدمت کریں اور جس کام کو کہا جاوے خوشی سے انجام دیں کہ
جماعت کا نفع اسی میں ہے کہ امیر کی اطاعت کرتی رہے۔ امیر
اور مامور کی ذمہ داریوں کو دوسرے رسالہ یعنی روانگی کی
ہدایتوں میں بتایا جاوے گا انشاء اللہ۔

اجتماع کو باقی رکھنا۔ افتراق سے بچنا :۔

اجتماعیت بہت بڑی نعمت ہے اور بڑی طاقت ہے۔ اس
میں بڑی عزت ہے اور قومی۔ ملی۔ ملکی وقار کا ذریعہ ہے۔

حضور ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ مومنین کی مثال ایک جسم کے مانند ہے۔ کہ اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ کسی جامع اور مدلل مثال ہے۔ کہ جسم کے مختلف حصے ہیں۔ اور ہر ایک کا ایک مخصوص کام ہے اور ہر ایک کا مقام الگ الگ ہے۔ ہر ایک کی شکل جدا جدا ہے۔ لیکن سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اور آپس کے جوڑ کی وجہ سے سب کے کام چل رہے ہیں اور نہ رہے گی بلکہ سیاسی تحریک بن جاوے گی۔ اور کام کی جان نکل جاوے گی۔

اس مضمون کو حضرت جی بہت فرمایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ داعی کا سب سے اونچا اور نرالا کمال تو یہ ہی ہے کہ وہ ٹوٹے ہوؤں کو جوڑتا ہے۔ پھٹنے والوں کو آپس میں منسلک کر دیتا ہے اور دشمنوں کو دوست بنا دیتا ہے اور منتشر انسانوں اور ایک دوسرے کی دشمن قوموں کو ایک امت کے دھاگے میں پرو دیتا ہے اگر ہمارے کام میں سے یہ بات جاتی رہی

تو پھر کام ہی کہاں باقی رہے گا۔ صرف نمازی حاجی، ذاکر، بنا دینا کمال کی بات نہیں۔ دعوت کا کمال ہی یہ ہے کہ بکھرے انسانوں کو آپ میں جوڑ دے۔ اور اس کامیابی کی شکل یہ ہے کہ ہر انسان میں اللہ نے کوئی نہ کوئی خوبی رکھی ہے۔ چاہے وہ کافر ہو۔ یا مشرک۔ یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلم ہو یا غیر مسلم بس داعی کو چاہیئے کہ انسانوں کی خوبیاں تلاش کرے اور ان کے تذکرو کو بڑھایا جاوے کہ فلاں قوم میں یہ خوبی ہے فلاں ملک والوں میں یہ خوبی ہے فلاں خاندان میں یہ خوبی ہے۔ فلاں حاکم میں یہ خوبی ہے۔ اور فلاں تاجر میں یہ خوبی ہے۔ اور فلاں انسان میں یہ خوبی ہے۔

بالخصوص مسلم کی خوبیوں کو بہت اچالا جاوے۔ کہ خوبیوں کے تذکرے جوڑ پیدا کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اور بڑائی کو دبایا جاوے۔ اس کے تذکرے کو زبان پر بھی نہ لایا جاوے۔ کہ اس سے دل پھٹتے ہیں۔ جھگڑے بڑھتے ہیں۔ نفرت پیا ہوتی ہے۔ اور افتراق کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے اس سے سختی کے ساتھ

روکا جاوے اور خود کو بچانے کی بھرپور کوشش کی جاوے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک بڑے رئیس اور باثر آدمی نظام الدین آئے ہوئے تھے۔ اور ان کو کوئی ناگواری کی بات پیش آگئی۔ تو اس نے بہت غصہ میں حضرت مولانا محمد یوسف ؒ سے سخت لہجہ میں کہا۔ کہ اس مسجد میں (بنگلہ والی مسجد) کیا بدمعاش بھی آتے ہیں۔ تو حضرت نے اس وجہ سے نہ پوچھی نہ مزید تحقیق کی۔ بلکہ آپ نے بھی بہت زور کے ساتھ فرمایا۔ ہاں یہاں بدمعاش بھی آتے ہیں۔ بلکہ ہم تو بدمعاشوں کو دعوت دے کر لاتے ہیں۔ جس کو یہ بات ناپسند ہو وہ یہاں نہ آوے۔ بعد میں اس شخص کا بہت اکرام اور بڑی تواضع فرمائی۔ اور بڑے نرم لہجہ میں سمجھایا اور فرمایا آپ ہی فرمادیں کہ اگر مسلمانوں کے بدمعاش اور شریر اور برائیوں میں پھنسے ہوئے طبقوں کو دیندار اور سمجھدار اور دین کا درد و فکر رکھنے والا طبقہ گلے نہ لگائے گا تو ان کی اصلاح کی کیا صورت ہوگی غیر مسلم تو ان کو گلے لگانے سے رہے۔ البتہ اگر وہ اسلام ہی کو چھوڑ دیں

اور انہی کے مطابق بن جائیں تو دوسری بات ہے۔ اس کو سن کر وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے۔ اور فرمایا آپ نے میرے دل کو کھینچ لیا۔ واقعی میں غلطی پر تھا۔

دعا :۔

دعا اللہ رب العزت سے مانگنے کو کہتے ہیں۔ اور تبلیغ میں اسی کی دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی ماننی اور اللہ سے مانگنا آجائے۔ بس اسلام کا لب لباب یہ ہی ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (پ ۲۴)

اللہ فرماتے ہیں مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ ۳)

جب کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الدعاء مخ العبادہ اور ایک ارشاد ہے الدعاء ھو العبادۃ یعنی دعا عبادات کا مغز ہے۔ اور

یہ کہ عبادت سے مراد دعا ہی ہے۔

بہر حال دعا بہت بڑی طاقت ہے۔ اور انبیاء علیھم السلام کو اللہ رب العزت نے دعا کی طاقت ہی فرمائی تھی۔ جس سے وہ کامیاب ہوتے تھے۔

بس جس قدر زندگی اطاعت خداوندی اور اتباع رسول کے مطابق بنتی جاوے گی دعا میں جان پڑتی جاوے گی لیکن یہ شرط نہیں۔ بلکہ اللہ ہر بندے کی سنتے ہیں خصوصاً جو لوگ اللہ کے دین کی محنت کے لیے نکلتے ان کی دعائیں انبیاء علیھم السلام کے مانند قبول ہوتی ہیں۔

بہر حال دعا کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور اس کی جان یہ ہے کہ اللہ کو پورے یقین کے ساتھ کرتا دھرتا مان کر اور اپنے کو اور پوری مخلوق کو محتاج یقین کر کے اپنی ضرورت ان کے سامنے پیش کر دینا۔